اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

ماہنامہ

الحدیث

حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

1

جون ۲۰۰۴ء

مکتبۃ الحدیث حضرو، اٹک: پاکستان

حافظ ندیم ظہیر

سورۃ الفاتحہ احسن الحدیث

بسم الله الرحمٰن الرحیم oالحمد لله رب العالمین o الرحمٰن الرحیم o ملك یوم الدین o ایاك نعبد و ایاك نستعین o اهدنا الصراط المستقیم o صراط الذین انعمت علیهم o غیر المغضوب علیهم و لا الضالین

اللہ کے نام سے (جو) رحمٰن (اور) رحیم (ہے)

ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، رحمٰن (اور) رحیم، روز جزا کا مالک۔ (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ چلا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کی جن پر (تیرا) غضب (نازل) ہوا اور نہ گمراہوں کی۔ (الکتاب ص۲ باختلاف یسیر)

فقه القرآن :

(۱) سورۃ النحل (آیت: ۹۸) سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی قرأت سے پہلے تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پڑھنا چاہئے تاکہ شیاطین جن وانس کے مقابلے میں اللہ کی پناہ حاصل ہو جائے۔

(۲) سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے (مثلاً سنن ابی داود: ۷۸۸، مسند الحمیدی: ۵۲۸ وصححہ الحاکم: ۱/۲۳۱ وقال الذہبی: اما ھذا فثابت) اور قرآن مجید میں سورۃ توبہ کے علاوہ تمام سورتوں سے پہلے بسم اللہ الخ لکھا ہوا ہے بلکہ بعض علماء اسے سورہ فاتحہ کی پہلی آیت سمجھتے ہیں دیکھئے تفسیر ابن کثیر (۱/۱۱۰)

۳: سورہ فاتحہ کے بہت زیادہ فضائل ہیں اسے ''نور'' بھی کہا جاتا ہے (صحیح مسلم: ۸۰۶ وترقیم دارالسلام: ۱۸۷۷) یہ سورت السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے (صحیح البخاری ۴۴۷۴) مریض پر اس کا دم کرنے سے، اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا ہے (صحیح بخاری: ۲۲۷۶، صحیح مسلم: ۲۲۰۱ وترقیم دارالسلام: ۵۷۳۳)

۴: سورہ فاتحہ ام الکتاب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح بخاری: ۷۵۶) اور فرمایا: '' کل صلوۃ لا یقرأ فیها بام الکتاب فهی خداج '' ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے (ابن ماجہ: ۸۴۰ واحمد: ۶/۲۷۵ وسندہ حسن، ابن اسحاق صرح بالسماع وھو صحیح بالشواہد)

۵: سورہ فاتحہ کی آیات ٹھہر ٹھہر کر پڑھنی چاہئیں اور آخر میں مقتدیوں کو آمین (یعنی قبول فرما) کہنے کا حکم ہے، دیگر احکام ومسائل کے لئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

(۱) وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قال : قال رسول الله ﷺ : " إنما الأعمال بالنيات ، وإنما لا مرىءٍ ما نوى ، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله ، فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها ، أو امرأةٍ يتزوجها فهجرته إلى ما هاجر إليه " متفق عليه

(البخاري : ۱، ٥٤، ۲٥۲۹، ۳۸۹۸، ٥۰۷۰، ٦٦۸۹، ٦۹٥۳ ـ مسلم : ۱۹۰۷، الامارة : ۱٥٥ [النسائي : الإيمان والنذور : النية في اليمين ح ۳۸۲٥، السلفية ۱۳٥/۲ واللفظ له إلاعنده " لدنيا " بدل " إلى دنيا " وجاء في بعض نسخ النسائي : " إلىٰ دنيا "]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ،جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنا گھر بار چھوڑا تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے (ہی) ہے ۔(یعنی اسے ثواب ملے گا) اور جس شخص نے دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کے لئے گھر بار چھوڑا تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لئے ہے (یعنی اسے ثواب نہیں ملے گا)

فقه الحديث :

(۱) یہ حدیث یحیی بن سعید الانصاری عن محمد بن ابراہیم التیمی عن علقمہ بن وقاص اللیثی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہے اور صحیح غریب، خبر واحد ہے۔

(۲) اس صحیح حدیث اور دیگر دلائل سے یہ ثابت ہے کہ حدیثِ مقبول کے لئے متواتر یا مشہور ہونا ضروری نہیں بلکہ خبر واحد صحیح بھی حجت ہے

(۳) عمل کی مقبولیت کا دارومدار نیت پر ہے۔ لہذا وضوء، غسل، نماز، روزہ، حج اور تمام عبادات کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے اور اسی پر فقہاء کا اجماع ہے۔(دیکھئے ''الایضاح عن معانی الصحاح'' لابن ھبیرۃ ج ا ص ۵۶) سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے، ان کے نزدیک وضوء اور غسل جنابت میں نیت واجب نہیں (بلکہ) سنت ہے۔(دیکھئے الھدایہ مع الدرایہ ج ا ص ۲۰)

(۴) عربی لغت (زبان) میں دلی ارادے، عزم اور قصد کو نیت کہتے ہیں۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص ۱۷۳۰)
امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''نیت دل کے ارادے اور قصد کو کہتے ہیں، قصد و ارادہ کا مقام دل ہے زبان نہیں'' (الفتاوی الکبری ج ا ص ا، وھذا مفہوم العبارۃ بالاردیۃ)
نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں سے زبان سے نماز کی نیت پڑھنا ثابت نہیں ہے، لہذا اس زبانی عمل سے اجتناب کرنا چاہیے۔
(۵) کسی عمل کے عنداللہ مقبول ہونے کی تین شرطیں ہیں:
۱: عامل کا عقیدہ کتاب و سنت اور فہم سلف کے مطابق ہو۔
۲: عمل اور طریقہ کار بھی کتاب و سنت کے مطابق ہو۔
۳: اس عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لئے سرانجام دیا جائے۔
(۶) رسالہ ''الحدیث'' حضرو، کی ابتداء میں اس حدیث اور فقہ الحدیث کا مقصد یہ ہے کہ ''الحدیث'' کے اجراء سے ہمارا مقصد، اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور بخشش ہے، کوئی دنیاوی فائدہ پیش نظر نہیں ہے۔
(۷) بعض علماء اس حدیث کو دین اسلام کا ثلث (۱/۳) قرار دیتے ہیں کیونکہ تمام اعمال کا تعلق:
۱: دل ۲: زبان ۳: اور جوارح ہاتھ پاؤں وغیرہ سے ہے۔ چونکہ نیت کا تعلق دل سے ہے لہذا یہ اسلام کا ثلث (ایک تہائی) ہے۔
(۸) یہ حدیث ان بدعتیوں (مثلاً مرجئیہ وغیرہ) پر رد ہے جن کا یہ دعوی ہے کہ ایمان دلی اعتقاد کے بغیر صرف زبانی قول کا نام ہے۔ قال العیني :
" فيه رد على المرجئة في قولهم الايمان اقرار باللسان دون الاعتقاد بالقلب" (عمدۃ القاری: ۱/۳۴)
(۹) صحیح بخاری میں " انما الاعمال بالنیات " الخ والی پہلی روایت میں " فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله " کے الفاظ موجود نہیں ہیں (ح ۱) جبکہ دوسری روایت (ح ۵۴ و صحیح مسلم) میں موجود ہیں، اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے:
اول: ایک روایت میں ذکر ہو اور دوسری میں عدم ذکر ہو تو عدم ذکر، نفیِ ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔
دوم: ثقہ راوی کتاب کی زیادت، جب ثقہ راویوں یا اوثق کے ہر لحاظ سے خلاف نہ ہو تو یہ زیادت معتبر و مقبول ہوتی ہے۔
(۱۰) بعض علماء نے امام بخاری کے طرزِ عمل سے استنباط کیا ہے کہ انہوں نے کتاب بدء الوحی کے شروع میں " إنما الأعمال بالنيات " والی روایت ذکر کر کے دو مسئلے ثابت کئے ہیں۔
اول : حدیث بھی وحی ہے۔
دوم: امام الحمیدی المکی سے روایت میں یہ اشارہ ہے کہ دین اسلام اور نزول وحی کی ابتدا مکے سے ہوئی، اسی طرح صحیح بخاری کی آخری حدیث ابو ہریرہ المدنی رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ دین اسلام مدینے میں مکمل ہو گیا۔

اصول ومقاصد　　ڈاکٹر خالد محمود بھٹی

کلمۃ الحدیث

اللہ تعالیٰ نے ''احسن الحدیث'' (قرآن مجید) نازل فرمایا ہے (الزمر:۲۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه '' إلخ

اللہ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد رکھا حتی کہ آگے پہنچا دیا الخ

(ابوداود:۳۶۶۰ وإسنادہ صحیح، الترمذی:۲۶۵۶ وقال: ''حسن'' ابن ماجہ:۴۱۰۵ وصححہ ابن حبان:۲:۷۲،۷۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے قول (وفعل وتقریر) کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔

اسلام کی بنیاد انہی دو حدیثوں (قرآن اور حدیثِ رسول) پر ہے، قرآن وحدیث سے اجماع [1] کا حجت ہونا ثابت ہے، مثلاً دیکھئے سورۃ النساء (۱۱۵) والمستدرک للحاکم (۱/۱۱۶ ح۳۹۹ وسندہ صحیح)

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے ''مخالف اجماع مسلمین'' پر شدید رد فرمایا ہے (دیکھئے فتاوی نذیریہ ج ۱ص ۱۷)

حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) فرماتے ہیں:

'' واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے''

'' اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل الحدیث کو اجماع امت وقیاس شرعی سے انکار ہے کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا بھی آ گیا'' (ابراء اہل الحدیث والقرآن ص ۳۲)

اجماع کی حجیت کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) کی کتاب ''الرسالہ'' اور حافظ ابن حزم الاندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) کی کتاب الاحکام پڑھیں۔

کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے۔ محدث حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۴ھ) کیا خوب فرماتے ہیں: '' خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں'' (فتاوی اہل الحدیث ج ۱ص ۱۱۱)

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ: '' خلاصہ یہ کہ ٹھیٹھ اسلام میں تین باتیں ہیں، ایک یہ کہ قرآن و حدیث کا صاف فیصلہ ہوتے ہوئے کسی کے قول یا فتوی کی رعایت نہ رکھے، دوسری یہ کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن

(۱) جو مسئلہ یا بات سلف صالحین کی ایک جماعت سے ثابت ہو اور اس کے مقابلے میں اس کی مخالفت یا رد ثابت نہ ہو تو اسے اجماعِ سکوتی کہا جاتا ہے، وما كان ربك نسياً ، اگر کوئی اختلاف ہوتا تو ہم تک ضرور پہنچتا۔ ہمارے کلام میں اجماع کے حجت ہونے سے مراد یہی اجماع ہے۔

وحدیث سے فیصلہ نہ ملے تو وہاں پہلے لوگوں کے فیصلہ کو اپنی رائے پر مقدم کرے، تیسری بات یہ کہ اگر خود قرآن و حدیث سے واقف نہ ہو تو بغیر التزام تعیین مذہب کے کسی سے مسئلہ قرآن وحدیث کا پوچھ لے بس یہی ٹھیٹھ اسلام ہے، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے تھے اور اسی پر صحابہ کو چھوڑ کر رخصت ہوئے اب جتنا کوئی ......اس روش سے ہٹے گا اتنا ہی حق سے دور ہوگا، اور جتنا اس سے نزدیک ہوگا اتنا ہی حق سے نزدیک ہوگا''
(فتاوی اہلحدیث ج ا ص ٦٩)

اجتہاد کرنا جائز ہے مگر یہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے اسے دائمی قانون صرف اسی صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو، ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم '' الحدیث حضرو '' کا یہ سلسلہ جاری کررہے ہیں جس میں درج ذیل اصول ومقاصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

١: قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
٢: سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
٣: صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
٤: صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب
٥: اتباع کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
٦: علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
٧: مخالفین کتاب وسنت اور اہل باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
٨: اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
٩: دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
١٠: قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ '' الحدیث حضرو '' کا بغور مطالعہ کرکے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔

صحیح نماز نبوی

تکبیر تحریمہ سے سلام تک

۱: رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ (خانہ کعبہ) کی طرف رخ کرتے، رفع الیدین کرتے اور فرماتے: اللہ اکبر [۱]

اور فرماتے: جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ [۲]

۲: آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے [۳] ☆ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے [۴] لہذا دونوں طرح جائز ہے لیکن زیادہ حدیثوں میں کندھوں تک رفع الیدین کرنے کا ثبوت ہے، یاد رہے کہ رفع یدین کرتے وقت ہاتھوں کے ساتھ کانوں کا پکڑنا یا چھونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ مردوں کا ہمیشہ کانوں تک اور عورتوں کا کندھوں تک رفع یدین کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۳: آپ ﷺ (انگلیاں) پھیلا کر رفع یدین کرتے تھے [۵]

۴: آپ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر، سینے پر رکھتے تھے۔ [۶] لوگوں کو (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ذراع پر رکھیں۔ [۷]

ذراع: کہنی کے سرے سے درمیانی انگلی کے سرے تک ہوتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۵۶۸) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی، کلائی اور ساعد پر رکھا [۸]

ساعد: کہنی سے ہتھیلی تک کا حصہ (ہے) دیکھئے القاموس الوحید ص ۷۶۹۔ اگر ہاتھ پوری ذراع (ہتھیلی، کلائی اور ہتھیلی سے کہنی تک) پر رکھا جائے تو خود بخود ناف سے اوپر اور سینہ پر آجاتا ہے۔

....

(۱) ابن ماجہ: ۸۰۳ وسندہ صحیح، وصححہ الترمذی: ۳۰۴ وابن حبان، الاحسان: ۱۸۶۵ وابن خزیمہ: ۵۸۷
اس کا راوی عبدالحمید بن جعفر محدثین کے نزدیک ثقہ وصحیح الحدیث ہے، دیکھئے نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین، طبع دوم ص ۹۷-۹۹، اس پر جرح مردود ہے ۔ محمد بن عمرو بن عطاء ثقہ ہیں (تقریب التہذیب: ۶۱۸۷) محمد بن عمرو بن عطاء کا ابوحمید الساعدی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مجلس میں شامل ہونا ثابت ہے، دیکھئے صحیح البخاری (۸۲۸) لہذا یہ روایت متصل ہے۔ (۲) البخاری: ۷۵۷، مسلم: ۴۵/۳۹۷
(۳) البخاری: ۷۳۶، مسلم: ۳۹۰ (۴) مسلم: ۲۶، ۲۵/۳۹۱ (۵) ابوداود: ۷۵۳ وسندہ صحیح، وصححہ ابن خزیمہ: ۴۵۹ وابن حبان، الاحسان: ۱۷۷۷ والحاکم: ۲۳۴/۱ ووافقہ الذہبی (۶) احمد فی مسندہ ۲۲۶/۵ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن، وعنہ ابن الجوزی فی التحقیق: ۲۸۳/۱ ح ۴۷۷ دوسرا نسخہ: ۳۳۸/۱ ح ۴۳۴ (۷) البخاری: ۷۴۰ وموطا امام مالک: ۱۵۹/۱ ح ۳۷۷ (۸) ابوداود: ۷۲۷ وسندہ صحیح، النسائی: ۸۹۰، وصححہ ابن خزیمہ: ۴۸۰ وابن حبان: ۱۸۶۰ ☆ تنبیہ: مردوں کا ناف سے نیچے اور صرف عورتوں کا سینہ پر ہاتھ باندھنا (یہ تخصیص) کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۵: رسول اللہ ﷺ تکبیر (تحریمہ) اور قرأت کے درمیان درج ذیل دعا (سرًا یعنی بغیر جہر کے) پڑھتے تھے۔

" اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس ، اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد " (۱)

درج ذیل دعا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

" سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك " (۲)

ثابت شدہ دعاؤں میں سے جو دعا بھی پڑھ لی جائے بہتر ہے۔

۶: آپ ﷺ أعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھتے (۳)

درج ذیل دعا بھی ثابت ہے۔

أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه (۴)

۷: آپ ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے (۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھنا بھی صحیح ہے اور سراً بھی صحیح ہے، کثرتِ دلائل کی رو سے عام طور پر سراً پڑھنا بہتر ہے۔ (۶) اس مسئلے میں سختی کرنا بہتر نہیں ہے۔

....

(۱) البخاری:۷۴۴، مسلم:۵۹۸/۱۴۷

درج بالا دعا کا ترجمہ: اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسی دوری بنادے جیسی کہ مشرق ومغرب کے درمیان دوری ہے، اے اللہ! مجھے خطاؤں سے اس طرح (پاک) صاف کردے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے (پاک و) صاف ہوجاتا ہے، اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھوڈال (اور صاف کردے)

(۲) ابوداود:۷۷۵ وسندہ حسن، النسائی:۹۰۰، ۹۰۱، ابن ماجہ:۸۰۴، الترمذی:۲۴۲، وأعل بمالا یقدح وصححہ الحاکم:۲۳۵/۱ ووافقہ الذھبی،

ترجمہ: اے اللہ! تو پاک ہے، اور تیری تعریف کے ساتھ، تیرا نام برکتوں والا ہے اور تیری شان بلند ہے تیرے سوا دوسرا کوئی الٰہ (معبود برحق) نہیں ہے۔

(۳) عبدالرزاق فی المصنف:۸۵/۲ ح ۲۵۸۹ وسندہ حسن (۴) ابوداود:۷۷۵ وسندہ حسن، نیز دیکھئے فقرہ:۵ حاشیہ:۲

(۵) النسائی: ۹۰۶، وسندہ صحیح، وصححہ ابن خزیمہ: ۴۹۹ وابن حبان: الاحسان: ۱۷۹۷، والحاکم علی شرط الشیخین: ۲۳۲/۱ ووافقہ الذہبی۔

☆ تنبیہ: اس روایت کے راوی سعید بن ابی ھلال نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے بیان کی ہے، خالد بن یزید کی سعید بن ابی ھلال سے روایت صحیح بخاری (۱۳۶) وصحیح مسلم (۱۹۷۷/۴۲) میں موجود ہے۔

(۶) '' جہراً '' کے جواز کے لئے دیکھئے النسائی:۹۰۶، وسندہ صحیح، '' سراً '' کے جواز کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ:۴۹۵ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، الاحسان:۱۷۹۹ وسندہ صحیح۔

۸: پھر آپ ﷺ سورہ فاتحہ پڑھتے تھے (۱)

الحمد لله رب العالمين O الرحمٰن الرحيم O ملك يوم الدين O اياك نعبد واياك نستعين O اهدنا الصراط المستقيم O صراط الذين انعمت عليهم O غير المغضوب عليهم ولا الضالين

سورہ فاتحہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے اور ہر آیت پر وقف کرتے تھے۔ (۲) آپ ﷺ فرماتے تھے کہ :

" **لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب** " جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البخاری:۷۵۶)

اور فرماتے ہیں کہ: " **كل صلوة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج منهي خداج** " ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے (ابن ماجہ:۸۴۱ وسندہ حسن)

۹: پھر آپ ﷺ آمین کہتے تھے (۳)، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، پھر جب آپ نے ولا الضالین (جہراً) کہی تو آمین (جہراً) کہی (۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں (امام اور مقتدیوں کو) آمین جہراً کہنی چاہیے۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ:

" **وخفض بها صوته** " اور آپ ﷺ نے اس (آمین) کے ساتھ اپنی آواز پست رکھی (۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سری نماز میں آمین سراً کہنی چاہیے، سری نمازوں میں آمین سراً کہنے پر مسلمانوں کا اجماع ہے والحمد للہ۔

۱۰: پھر آپ ﷺ سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے۔ (۶)

....

(۱) النسائی:۹۰۶، وسندہ صحیح دیکھئے حاشیہ سابقہ:۳

☆ سورہ فاتحہ کا ترجمہ : سب تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں، جو رحمٰن رحیم ہے، یوم جزا کا مالک ہے۔ (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ان لوگوں کے راستے سے بچانا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہیں۔

(۲) ابوداود:۴۰۰۱، الترمذی:۲۹۲۷ وقال: "غریب" وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین (۲۳۳/۲) ووافقہ الذھبی وسندہ ضعیف ولہ شاھد قوی فی مسند احمد:۲۸۸/۶ ح ۲۷۰۰۳ وسندہ حسن والحدیث بہ حسن (۳) النسائی:۹۰۶، وسندہ صحیح، نیز دیکھئے فقرہ ۷ حاشیہ:۶ (۴) ابن حبان الاحسان:۱۸۰۵، وسندہ صحیح (۵) احمد:۳۱۶/۴ ح ۹۰۴۸، ورجالہ ثقات وأعلہ البخاری وغیرہ۔

(۶) مسلم:۴۰۰/۵۳ قال رسول اللہ ﷺ: " **أنزلت علي آنفاً سورة، فقرأ بسم الله الرحمٰن الرحيم، إنا أعطيناك الكوثر فصل لربك وانحر إن شانئك هو الأبتر** " سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھا تو مہاجرین وانصار سخت ناراض ہوئے تھے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سورت سے پہلے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے، رواہ الشافعی (الام:۱۰۸/۱) وصححہ الحاکم علی شرط مسلم (۲۳۳/۲) ووافقہ الذہبی۔ اس کی سند حسن ہے،

۱۱: آپ ﷺ نے فرمایا: '' پھر سورہ فاتحہ پڑھواور جواللہ چاہے پڑھو''[۱]
نبی ﷺ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھتے تھے[۲] اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھتے تھے[۳] آپ ﷺ قرأت کے بعد رکوع سے پہلے سکتہ کرتے تھے[۴]

۱۲: پھر آپ ﷺ رکوع کے لئے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہتے[۵]

۱۳: آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے[۶]۔ آپ (عندالرکوع و بعدہ) رفع یدین کرتے پھر (اس کے بعد) تکبیر کہتے[۷] اگر پہلے تکبیر اور بعد میں رفع یدین کرلیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ تکبیر کہتے تو رفع یدین کرتے[۸]

۱۴: آپ ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنے ،مضبوطی سے پکڑتے پھر اپنی کمر جھکاتے (اور برابر کرتے)[۹] آپ ﷺ کا سر نہ تو (پیٹھ سے) اونچا ہوتا اور نہ نیچا (بلکہ برابر ہوتا تھا)[۱۰]
آپ ﷺ اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے تھے، پھر اعتدال (سے رکوع) کرتے۔ نہ تو سر (بہت) جھکاتے اور نہ اسے (بہت) بلند کرتے[۱۱] یعنی آپ ﷺ کا سر مبارک آپ کی پیٹھ کی سیدھ میں بالکل برابر ہوتا تھا۔

۱۵: آپ ﷺ نے رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے گویا کہ آپ نے انہیں پکڑ رکھا ہے اور دونوں ہاتھ کمان کی ڈوری کی طرح تان کر اپنے پہلوؤں سے دور رکھے۔[۱۲]

۱۶: آپ ﷺ رکوع میں: سبحان ربی العظیم کہتے (رہتے) تھے[۱۳] آپ ﷺ اس کا حکم دیتے تھے کہ یہ (دعاء) رکوع میں پڑھیں[۱۴] آپ ﷺ سے رکوع میں درج ذیل دعائیں بھی ثابت ہیں:

....

(۱) ابوداود: ۸۵۹، وسندہ حسن (۲) البخاری: ۷۶۲ و مسلم: ۴۵۱ (۳) البخاری: ۷۷۶، مسلم: ۴۵۱/۱۵۵ (۴) ابوداود: ۷۷۷، ۷۷۸، ابن ماجہ: ۸۴۵ وھو حدیث صحیح
حسن بصری مدلس ہیں (طبقات المدلسین بتحقیقی: ۲/۴۰) لیکن ان کی سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح ہوتی ہے اگرچہ تصریح سماع نہ بھی ہو، نیز دیکھئے نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود: ۳۵۴ (۵) البخاری: ۷۸۹، مسلم: ۳۹۲/۲۸ (۶) البخاری: ۷۳۸، مسلم: ۳۹۰/۲۲ (۷) مسلم: ۳۹۰/۲۲ (۸) ابوداود: ۷۳۰ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے ص ا حاشیہ: ا (۹) البخاری: ۸۲۸ (۱۰) مسلم: ۴۹۸/۲۴۰
(۱۱) ابوداود: ۷۳۰ وسندہ صحیح

(۱۲) ابوداود: ۷۳۴، وسندہ حسن، وقال الترمذی: (۲۶۰): ''حدیث حسن صحیح'' وصححہ ابن خزیمہ: ۶۸۹ وابن حبان، الاحسان: ۱۸۷۱
☆ تنبیہ: فلیح بن سلیمان صحیحین کا راوی اور حسن الحدیث ہے، جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے، لہذا یہ روایت حسن لذاتہ ہے، فلیح مذکور پر جرح مردود ہے والحمدللہ

(۱۳) مسلم: ۷۷۲، ولفظہ: '' ثم ركع فجعل يقول :سبحان ربي العظيم ، فكان ركوعه نحواً من قيامه ''

(۱۴) ابوداود: ۸۶۹ وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۸۸۷ وصححہ ابن خزیمہ: ۶۰۱، ۶۷۰ وابن حبان، الاحسان ۱۸۹۸ والحاکم: ۱/۲۲۵، ۲/۴۷۷)=

یہ دعا آپ کثرت سے پڑھتے تھے: سبحانك اللهم ربنا وبحمدك ، اللهم اغفرلي [1]

سبوح قدوس ، رب الملائكة والروح [2]

سبحانك وبحمدك ، لا إله إلا انت [3]

اللهم لك ركعت وبك آمنت ولك أسلمت ، خشع لك سمعي وبصري و مخي وعظمي وعصبي [4]

ان دعاؤں میں سے کوئی دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے، ان دعاؤں کا ایک ہی رکوع یا سجدے میں جمع کرنا اور اکٹھا پڑھنا کسی صریح دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ تاہم حالتِ تشہد'' ثم لتخير من الدعاء أعجبه إليه فيدعو "(البخاری ۸۳۵، واللفظ لہ، مسلم: ۴۰۲) کی عام دلیل سے ان دعاؤں کا جمع کرنا بھی جائز ہے واللہ اعلم

۱۷: ایک شخص نماز صحیح نہیں پڑھتا تھا، آپ ﷺ نے اسے نماز کا طریقہ سکھانے کے لئے فرمایا: '' جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو پورا وضوء کر، پھر قبلہ کی طرف رخ کر کے تکبیر (اللہ اکبر) کہہ پھر قرآن میں سے جو میسر ہو (یعنی سورہ فاتحہ) پڑھ، پھر اطمینان سے رکوع کر، پھر اٹھ کر (اطمینان سے) برابر کھڑا ہو جا، پھر اطمینان سے سجدہ کر، پھر اطمینان سے اٹھ کر بیٹھ جا، پھر اطمینان سے (دوسرا) سجدہ کر، پھر (دوسرے سجدے سے) اطمینان سے اٹھ کر بیٹھ جا، پھر اپنی ساری نماز (کی ساری رکعتوں) میں اسی طرح کر۔ [5]

۱۸: جب آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور ''سمع الله لمن حمده ، ربنا ولك الحمد '' کہتے تھے [6] " ربنا لك الحمد " کہنا بھی صحیح اور ثابت ہے۔ [7]

درج ذیل دعائیں بھی ثابت ہیں:

اللهم ربنا لك الحمد [8] ۔ اللهم ربنا لك الحمد مل ء السموات وملء الأرض ومل ء ما شئت من شئی بعد [9] أهل الثناء والمجد ، لا مانع لما أعطيت ، ولا معطي لمامنعت ، ولا ينفع ذاالجد منك الجد [10] ربنا ولك الحمد ، حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه [11]

....

=واختلف قول الذهبی فيه ، میمون بن مہران (تابعی) اور زہری (تابعی) فرماتے ہیں کہ رکوع وسجود میں تین تسبیحات سے کم نہیں پڑھنا چاہیے (ابن ابی شیبہ فی المصنف: ۲۵۰/۱ ح ۲۵۷۱ وسندہ حسن)

(۱) البخاری: ۷۹۴، ۸۱۷، مسلم: ۴۸۴ (۲) مسلم: ۴۸۷ (۳) مسلم: ۴۸۵ (۴) مسلم: ۷۷۱

(۵) البخاری: ۶۲۵۱ (۶) البخاری: ۷۳۵، ۷۳۶ امام مقتدی اور منفرد سب کو '' سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد " کہنا چاہیے (۷) البخاری: ۷۸۹، بعض اوقات " ربنا ولك الحمد ' جہراً کہنا بھی جائز ہے، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے روایت ہے کہ " سمعت ابا هريرة يرفع صوته باللهم ربنا ولك الحمد " یعنی میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اونچی آواز کے ساتھ ''اللهم ربنا ولك الحمد " پڑھتے ہوئے سنا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۸/۱ ح ۲۵۵۶ وسندہ صحیح) (۸) البخاری: ۷۹۶

(۹) مسلم: ۴۷۶ (۱۰) مسلم: ۴۷۷/۲۰۶ (۱۱) البخاری: ۷۹۹

۱۹: رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا نہیں، اس مسئلے میں صراحت سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے لہذا دونوں طرح عمل جائز ہے مگر بہتر یہی ہے کہ قیام میں ہاتھ نہ باندھے جائیں [۱]

۲۰: پھر آپ ﷺ تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر (یا کہتے ہوئے) سجدے کے لئے جھکتے [۲]

۲۱: آپ ﷺ نے فرمایا: " **إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه** "
جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے (بلکہ) اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھے آپ ﷺ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ [۳]

۲۲: آپ ﷺ سجدے میں ناک اور پیشانی، زمین پر (خوب) جما کر رکھتے، اپنے بازوؤں کو اپنے پہلو (بغلوں) سے دور کرتے اور دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر (زمین) پر رکھتے [۴] وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: '' آپ ﷺ نے جب سجدہ کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے کانوں کے برابر رکھا'' [۵]

۲۳: سجدے میں آپ ﷺ اپنے دونوں بازوؤں کو اپنی بغلوں سے ہٹا کر رکھتے تھے [۶] آپ ﷺ سجدے میں اپنے ہاتھ (زمین پر) رکھتے، نہ تو انہیں بچھا دیتے اور نہ (بہت) سمیٹ لیتے، اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے [۷] آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی [۸] آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: ''سجدے میں اعتدال کرو، کتے کی طرح بازو نہ بچھاؤ'' [۹] آپ ﷺ فرماتے تھے: ''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدموں کے پنجے'' [۱۰]

....

(۱) امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے چاہئیں یا چھوڑ دینے چاہئیں تو انہوں نے فرمایا: " **أرجو أن لا يضيق ذلك ـ إن شاء الله** " مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ (مسائل احمد: روایۃ صالح بن احمد بن حنبل: ۶۱۵)
(۲) البخاری: ۸۰۳، مسلم: ۳۲۹/۲۸ (۳) ابوداود: ۸۴۰ وسندہ صحیح علی شرط مسلم، النسائی: ۱۰۹۲،
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ (زمین پر) رکھتے تھے (البخاری قبل حدیث: ۸۰۳) اور فرماتے کہ: رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے (صحیح ابن خزیمہ: ۶۲۷ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم علی شرط مسلم: ۲۲۶/۱ ووافقہ الذہبی) جس روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے اور پھر ہاتھ رکھتے تھے (ابوداود: ۸۳۸ وغیرہ) شریک بن عبداللہ القاضی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اس کے تمام شواہد بھی ضعیف ہیں، ابوقلابہ (تابعی) سجدہ کرتے وقت پہلے گھٹنے لگاتے تھے اور حسن بصری (تابعی) پہلے ہاتھ لگاتے تھے (ابن ابی شیبہ: ۲۶۳/۱ ح ۲۷۰۸ وسندہ صحیح) محمد بن سیرین (تابعی) بھی پہلے گھٹنے لگاتے تھے (ابن ابی شیبہ: ۲۶۳/۱ ح ۲۷۰۹ وسندہ صحیح) دلائل کی رو سے راجح اور بہتر یہی ہے کہ پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے لگائے جائیں۔ (۴) ابوداود: ۷۳۴، وسندہ حسن، نیز دیکھئے فقرہ ۱۵ حاشیہ ۱۲ (۵) ابوداود: ۷۲۶ وسندہ صحیح، النسائی: ۸۹۰ وصححہ ابن خزیمہ: ۴۸۰ وابن حبان، الاحسان: ۱۸۶۰، نیز دیکھئے فقرہ: ۴ حاشیہ: ۷ (۶) ابوداود: ۷۳۰ وسندہ صحیح دیکھئے فقرہ ۱۴ حاشیہ: ۱۱ (۷) البخاری: ۸۲۸ (۸) البخاری: ۳۹۰، مسلم: ۴۹۵ (۹) البخاری: ۸۲۲، مسلم: ۴۹۳ اس حکم میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔ لہذا عورتوں کو بھی چاہئے کہ سجدے میں اپنے بازو نہ پھیلائیں۔ (۱۰) البخاری: ۸۱۲، مسلم: ۴۹۰

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: ''جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو سات اطراف (اعضاء) اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں، چہرہ ہتھیلیاں، دو گھٹنے اور دو پاؤں''[۱] معلوم ہوا کہ سجدے میں ناک پیشانی، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کا زمین پر لگانا ضروری (فرض) ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: **لا صلوة لمن لم يضع أنفه على الأرض** جو شخص (نماز میں) اپنی ناک، زمین پر نہ رکھے اس کی نماز نہیں ہوتی[۲]

۲۴: آپ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اگر بکری کا بچہ آپ کے بازوؤں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا[۳]

۲۵: سجدے میں بندہ اپنے رب کے انتہائی قریب ہوتا ہے لہذا سجدے میں خوب دعا کرنی چاہئے[۴] سجدے میں درج ذیل دعائیں پڑھنا ثابت ہے۔ **سبحان ربي الاعلیٰ**[۵] **سبحانك اللهم ربنا وبحمدك ، اللهم اغفرلي**[۶] **سبوح قدوس ، رب الملائكة والروح**[۷] **سبحانك وبحمدك ، لا إله إلا انت**[۸] **اللهم اغفرلي ذنبي كله ، دقه وجله ، وأوله وآخره ، وعلانيته وسره**[۹]
اللهم لك سجدت ، وبك آمنت ، ولك أسلمت ، سجد وجهي للذي خلقه وصوره ، وشق سمعه و بصره ، تبارك الله أحسن الخالقين[۱۰]

۲۶: آپ ﷺ سجدے کو جاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے[۱۱]

۲۷: آپ ﷺ سجدے کی حالت میں اپنے دونوں پاؤں کی ایڑھیاں ملا دیتے تھے اور ان کا رخ قبلے کی طرف ہوتا تھا[۱۲] سجدے میں آپ اپنے دونوں قدم کھڑے رکھتے تھے[۱۳]

۲۸: آپ ﷺ تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر سجدے سے اٹھتے[۱۴] آپ ﷺ اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے[۱۵] آپ ﷺ سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے (البخاری: ۷۳۸، مسلم: ۲۲/۳۹۰) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''نماز میں (نبی ﷺ کی) سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھا دیا جائے''[۱۶]

....

(۱) مسلم: ۴۹۱ (۲) الدارقطنی فی سننہ: ۱/۳۴۸ ح ۱۳۰۳ مرفوعاً وسندہ حسن (۳) مسلم: ۴۹۶، یعنی آپ ﷺ اپنے سینے اور پیٹ کو زمین سے بلند رکھتے تھے، عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے: '' صلوا كما رأيتموني أصلي'' نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ (۴) مسلم: ۴۸۲ (۵) مسلم: ۷۷۲ (۶) البخاری: ۷۹۴، ۸۱۷، مسلم: ۴۸۴ (۷) مسلم: ۴۸۷ (۸) مسلم: ۴۸۵ (۹) مسلم: ۴۸۳ (۱۰) مسلم: ۷۷۱، جو دعا با سند صحیح ثابت ہو جائے سجدے میں اس کا پڑھنا افضل ہے، رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنا منع ہے دیکھئے صحیح مسلم: ۴۷۹، ۴۸۰) (۱۱) البخاری: ۷۳۸ (۱۲) الطحاوی فی معانی الآثار: ۱/۲۳۴، البیہقی: ۲/۱۱۶ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۶۵۴ وابن حبان، الاحسان: ۱۹۳۳، والحاکم (۱/۲۲۸، ۲۲۹) علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی (۱۳) مسلم: ۴۸۶، مع شرح النووی (۱۴) البخاری: ۷۸۹، مسلم: ۳۹۲ (۱۵) ابوداود: ۷۳۰، وسندہ صحیح (۱۶) البخاری: ۸۲۷

۲۹: آپ ﷺ سجدے سے اٹھ کر (جلسے میں) تھوڑی دیر بیٹھے رہتے (۱) حتی کہ بعض کہنے والا کہہ دیتا کہ : ''آپ بھول گئے ہیں '' (۲)

۳۰: آپ جلسے میں یہ دعا پڑھتے تھے : **رب اغفرلي ، رب اغفرلي** (۳)

۳۱: پھر آپ ﷺ تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر (دوسرا) سجدہ کرتے (۴) آپ ﷺ سجدے میں جاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے (۵) آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے (۶) سجدے میں آپ ﷺ سبحان ربی الاعلی پڑھتے تھے (۷) دیگر دعاؤں کے لئے دیکھئے فقرہ ۲۵ ص ۷

۳۲: پھر آپ ﷺ تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر (دوسرے) سجدے سے سر اٹھاتے (۸) سجدے سے اٹھتے وقت آپ ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (۹)

۳۳: آپ ﷺ جب طاق (پہلی یا تیسری) رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے تھے (۱۰) دوسرے سجدے سے آپ ﷺ جب اٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جاتی (۱۱)

۳۴: ایک رکعت مکمل ہوگئی، اب اگر آپ ایک وتر پڑھ رہے ہیں تو پھر تشہد، درود اور دعائیں (جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) پڑھ کر سلام پھیر لیں (۱۲)

....

(۱) البخاری:۸۱۸ (۲) البخاری:۸۲۱، مسلم:۴۷۲ (۳) ابوداود:۸۷۴ وھو حدیث صحیح، النسائی:۱۰۷۰، ۱۱۴۶، اس روایت میں رجل من بنی عبس سے مراد: صلہ بن زفر ہے دیکھئے مسند الطیالسی (۴۱۶) ابوحمزہ مولی الانصار سے مراد: طلحہ بن یزید ہے دیکھئے تحفۃ الاشراف (۵۸/۳ ح ۳۳۹۵) وتقریب التہذیب (تحت رقم: ۸۰۶۳) جلسہ میں تشہد کی طرح اشارہ، جس روایت میں آیا ہے (مسند احمد: ۳۱۷/۴ ح ۱۹۰۶۳) اسکی سند سفیان (الثوری) کی تدلیس (عنعنہ) کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري و الأعمش وأبي اسحاق وأضرابهم من الأئمة المتقين** ....'' مدلسین جو ثقہ وعادل ہیں ہم ان کی صرف انہی روایات سے حجت پکڑتے ہیں جن میں انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے مثلاً (سفیان) ثوری، اعمش، ابو اسحاق اور ان جیسے دوسرے صاحب تقوی (صاحبِ اتقان) ائمہ (صحیح ابن حبان، الاحسان مع تحقیق شعیب الأرناووط ج ۱ ص ۱۶۱) سفیان الثوری کو حاکم نیسابوری نے تیسری جنس (طبقہ ثانیہ) میں ذکر کیا ہے (دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۶، ۱۰۵) (۴) البخاری:۷۸۹، مسلم:۳۹۲/۲۸ (۵) البخاری:۷۳۸ (۶) مسلم:۳۹۰/۲۱، سجدہ کرتے وقت، سجدے سے سر اٹھاتے وقت اور سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے (۷) مسلم:۷۷۲ (۸) البخاری:۷۸۹، مسلم:۳۹۲/۲۸ (۹) البخاری:۷۳۸، مسلم:۳۹۰/۲۲ (۱۰) البخاری:۸۲۳ (۱۱) ابوداود:۷۳۰ وسندہ صحیح ، آپ ﷺ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھنے کا حکم دیتے تھے (صحیح البخاری:۶۲۵۱) نیز دیکھئے فقرہ ۱۷ ص ۵، اس سنتِ صحیحہ کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ (۱۲) دیکھئے تشہد = فقرہ:۴۱ ص:۱۰، درود = فقرہ:۴۲ ص:۱۰، دعائیں = فقرہ:۴۹، ۵۰ ص: ۱۱، ۱۲ سلام = فقرہ:۵۰، ۵۱ ص:۱۲ ایک رکعت پر اگر سلام پھیرا جائے تو تورک کرنا بھی جائز ہے اور نہ کرنا بھی، مگر بہتر یہی ہے کہ تورک کیا جائے ایک روایت میں ہے کہ: ''**حتى إذا كانت السجدة التي فيها التسليم أخر رجله اليسرى وقعد متوركاً على شقعه الأسير** '' ابوداود:۷۳۰ وسندہ صحیح

۳۵: پھر آپ ﷺ زمین پر (دونوں ہاتھ رکھ کر) اعتماد کرتے ہوئے (دوسری رکعت کے لئے) اٹھ کھڑے ہوتے [(۱)]

۳۶: آپ ﷺ جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے اور سکتہ نہ کرتے تھے [(۲)] سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا ذکر گزر چکا ہے۔ [(۳)]

﴿فإذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم﴾ [(۴)] کی رو سے بسم اللہ سے پہلے ﴿اعوذ بالله من الشيطان الرجيم﴾ پڑھنا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے۔ رکعتِ اولی میں جو تفاصیل گزر چکی ہیں [(۵)] حدیث: پھر ساری نماز میں اسی طرح کر [(۶)] کی رو سے دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھنی چاہئے۔

۳۷: دوسری رکعت میں دوسرے سجدے کے بعد (تشہد کے لئے) بیٹھ جانے کے بعد آپ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے تھے [(۷)] آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ترپن کا عدد (یعنی حلقہ) بناتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے [(۸)] یعنی اشارہ کرتے ہوئے دعا کرتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھتے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی سے ملاتے (یعنی حلقہ بناتے) اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے [(۹)] لہذا دونوں طرح عمل جائز ہے۔

۳۸: آپ ﷺ اپنی دائیں کہنی کو دائیں ران پر رکھتے تھے [(۱۰)] آپ ﷺ اپنی دونوں ذراعیں [(۱۱)] اپنی رانوں پر رکھتے تھے [(۱۲)]

۳۹: آپ ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے [(۱۳)] آپ ﷺ انگلی اٹھا دیتے اس کے ساتھ تشہد میں دعا کرتے تھے [(۱۴)] آپ ﷺ شہادت والی انگلی کو تھوڑا سا جھکا دیتے تھے [(۱۵)] آپ ﷺ اپنی شہادت والی انگلی کو حرکت دیتے (ہلاتے) رہتے تھے [(۱۶)]

....

(۱) البخاری:۸۲۴ وابن خزیمہ فی صحیحہ:۶۸۷ ، ازرق بن قیس (ثقہ/التقریب:۳۰۲) سے روایت ہے کہ: میں نے (عبداللہ) بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں پر اعتماد کر کے کھڑے ہوئے (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۳۹۵ ح ۳۹۹۶ وسندہ صحیح)

(۲) مسلم:۵۹۹، ابن خزیمہ:۱۶۰۳، ابن حبان:۱۹۳۶ (۳) دیکھئے فقرہ:۷ وحاشیہ:۴ (۴) سورہ النحل:۹۸ (۵) فقرہ:۱ سے لے کر فقرہ:۳۳ تک (۶) البخاری:۶۲۵۱، نیز دیکھئے ص ۷ فقرہ:۱۷ (۷) مسلم:۱۱۲/۵۷۹ (۸) مسلم:۱۱۵/۵۸۰ (۹) مسلم:۱۱۳/۵۷۹ (۱۰) ابوداود:۷۲۶، ۹۵۷ وسندہ صحیح، النسائی:۱۲۶۶، ابن خزیمہ:۷۱۳، ابن حبان، الاحسان:۱۸۶۰ (۱۱) ذراع کے مفہوم کے لئے دیکھئے فقرہ:۴ (۱۲) النسائی:۱۲۶۵ وھو حدیث صحیح بالشواہد (۱۳) مسلم:۱۱۵/۵۸۰ (۱۴) ابن ماجہ:۹۱۲، وسندہ صحیح، ابن حبان، الاحسان:۱۹۴۵ (۱۵) ابو داود:۹۹۱ وسندہ حسن، ابن خزیمہ:۷۱۶، ابن حبان، الاحسان:۱۹۴۶ (۱۶) النسائی:۱۲۶۹ وسندہ صحیح، ابن خزیمہ:۷۱۴، ابن الجارود فی المنتقی:۲۰۸، ابن حبان، الاحسان:۱۸۶۰ ☆ تنبیہ: بعض لوگوں نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ اعتراض کیا ہے کہ: "یحرکھا" کا لفظ شاذ ہے کیونکہ اسے زائدہ بن قدامہ کے علاوہ دوسرے کسی نے بھی بیان نہیں کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ: زائدہ بن قدامہ: ثقہ ثبت، صاحب سنۃ ہیں (التقریب:۱۹۸۲) لہذا ان کی زیادت مقبول ہے اور دوسرے راویوں کا یہ لفظ ذکر نہ کرنا شذوذ کی دلیل نہیں کیونکہ عدم ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ "ولا یحرکھا" والی روایت (ابوداود:۹۸۹، النسائی:۱۲۷۱) محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، دیکھئے میری کتاب "أنوار الصحیفة فی الأحادیث الضعیفة" ص ۲۸ محمد بن عجلان مدلس ہیں (طبقات المدلسین:۳/۹۸ بتحقیقی)

۴۰: آپ ﷺ اپنی تشہد کی انگلی کو قبلہ رخ کرتے اور اسی کی طرف دیکھتے رہتے تھے [۱]
آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد والے (یعنی پہلے) تشہد، اور چار رکعتوں کے بعد والے (یعنی آخری) تشہد، دونوں تشہدوں میں یہ اشارہ کرتے تھے [۲]

۴۱: آپ ﷺ تشہد میں درج ذیل دعا (التحیات) سکھاتے تھے۔

التحيات لله والصلوات والطيبات ، السلام عليك [۳] أيها النبي ورحمة الله وبركاته ، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين ، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله [۴]

۴۲: پھر آپ ﷺ درود پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد ، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد [۵]

۴۳: دو رکعتیں مکمل ہوگئیں، اب اگر دو رکعتوں والی نماز (مثلاً صلوۃ الفجر) ہے۔ تو دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیں اور اگر تین یا چار رکعتوں والی نماز ہے تو تکبیر کہہ کر کھڑے ہو جائیں [۶]

....

(۱) النسائی:۱۱۶۱، وسندہ صحیح، ابن خزیمہ:۷۱۹، ابن حبان، الاحسان:۱۹۴۷ ☆ تنبیہ: یہ روایت اس متن کے بغیر صحیح مسلم:۵۸۰/۱۱۶ میں مختصراً موجود ہے۔ (۲) النسائی:۱۱۶۲، وسندہ حسن ☆ تنبیہ: لا الہ پر انگلی اٹھانا اور الا اللہ پر رکھ دینا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ احادیث کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک، حلقہ بنا کر شہادت والی انگلی اٹھائی جائے، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو (تشہد میں) دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أحد أحد" : صرف ایک انگلی سے اشارہ کرو (الترمذی: ۳۵۵۷ وقال: حسن، النسائی:۱۲۷۳ وھو حدیث صحیح) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شروع تشہد سے لے کر آخر تک شہادت والی انگلی اٹھائی رکھنی چاہئے۔ (۳) علیک سے یہاں مراد حاضر نہیں بلکہ غائب ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : ''جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے تو ہم: ''**السلام ، يعني على النبي** ﷺ '' پڑھتے تھے (البخاری:۶۲۶۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ''علیک'' کی جگہ ''علی'' پڑھنا اس کی زبردست دلیل ہے کہ ''علیک'' سے مراد یہاں قطعاً حاضر نہیں ہے، یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی روایتوں کو بعد والے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ (۴) البخاری:۱۲۰۲ ☆ تنبیہ: اس مشہور ''التحیات'' کے علاوہ دوسرے جتنے صیغے صحیح و حسن احادیث سے یہاں پڑھنے ثابت ہیں (اس کے بدلے) اُن کا پڑھنا جائز اور موجبِ ثواب ہے۔ (۵) البخاری: ۳۳۷۰، البیہقی فی السنن الکبری:۱۴۸/۲ ح ۲۸۵۶ (۶) پہلے تشہد میں درود پڑھنا انتہائی بہتر اور موجبِ ثواب ہے، عام دلائل میں ''قولوا'' کے ساتھ اس کا حکم آیا ہے کہ درود پڑھو، اس حکم میں آخری تشہد یا پہلے تشہد کی کوئی تخصیص نہیں ہے، تاہم اگر کوئی شخص پہلے تشہد میں درود نہ پڑھے اور صرف التحیات پڑھ کر ہی کھڑا ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے التحیات (عبدہ ورسولہ تک) سکھا کر فرمایا: ''پھر اگر نماز کے درمیان (یعنی اول تشہد) میں ہو تو (اٹھ) کھڑا ہو جائے'' (مسند احمد:۴۵۹/۱ ح ۴۳۸۲، وسندہ حسن)

اگر دوسری رکعت پر سلام پھیرا جا رہا ہے تو تورک کرنا بہتر ہے اور نہ کرنا بھی جائز ہے دیکھئے فقرہ:۳۴، حاشیہ:۱۲ اص ۸

۴۴: پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو (اٹھتے وقت) تکبیر (اللہ اکبر) کہتے (۱) اور رفع یدین کرتے (۲)

۴۵: تیسری رکعت بھی دوسری رکعت کی طرح پڑھنی چاہئے، سوائے یہ کہ تیسری اور چوتھی (آخری دونوں) رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے اس کے ساتھ کوئی سورت وغیرہ نہیں ملانی چاہئے جیسا کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے (۳)

۴۶: اگر تین رکعتوں والی نماز (مثلاً صلوۃ المغرب) ہے تو تیسری رکعت مکمل کرنے کے بعد، دوسری رکعت کی طرح تشہد اور درود پڑھ لیا جائے اور دعا (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا جائے (۴) تیسری رکعت میں اگر سلام پھیرا جائے تو تورک کرنا چاہئے دیکھئے فقرہ:۴۸

۴۷: اگر چار رکعتوں والی نماز ہے تو پھر دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہو جائے (۵)

۴۸: چوتھی رکعت بھی تیسری رکعت کی طرح پڑھے (۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت میں تورک کرتے تھے (صحیح البخاری:۸۲۸) تورک کا مطلب یہ ہے کہ: ''نمازی کا دائیں کولہے کو دائیں پیر پر اس طرح رکھنا کہ وہ کھڑا ہو، اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو، نیز بائیں کولہے کو زمین پر ٹیکنا اور بائیں پیر کو پھیلا کر دائیں طرف نکالنا '' (القاموس الوحید ص ۱۸۴۱) نیز دیکھئے فقرہ:۴۹ چوتھی رکعت مکمل کرنے کے بعد التحیات اور درود پڑھے (۷)۔ پھر اس کے بعد جو دعا پسند ہو (عربی زبان میں) پڑھ لے (۸) چند دعائیں درج ذیل ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے یا حکم دیتے تھے۔

○ **اللهم إني أعوذ بك من عذاب القبر ومن عذا ب النار ، ومن فتنة المحيا و الممات ومن فتنة المسيح الدجال** (۹)

....

(۱) البخاری:۷۸۹، ۸۰۳، مسلم:۳۹۲/۲۸ (۲) البخاری:۷۳۹ ☆ تنبیہ: یہ روایت بالکل صحیح ہے، اس پر بعض محدثین کی جرح مردود ہے، سنن ابی داود (۷۳۰ وسندہ صحیح) وغیرہ میں اس کے صحیح شواہد بھی ہیں والحمدللہ (۳) دیکھئے ص ۴، فقرہ :۱۱ ،حاشیہ: ۳ (۴) دیکھئے البخاری:۱۰۹۲ (۵) دیکھئے فقرہ:۳۳ص (۶) یعنی صرف سورت فاتحہ ہی پڑھے، تاہم تیسری اور چوتھی رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ سورت وغیرہ پڑھنا جائز ہے جیسا کہ صحیح مسلم (۴۵۲) کی حدیث سے ثابت ہے (۷) دیکھئے فقرہ:۴۱، وفقرہ ۴۲ (۸) البخاری: ۸۳۵ مسلم: اس پر امیر المؤمنین فی الحدیث، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب باندھا ہے کہ:'' **باب ما يتخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب** '' یعنی: تشہد کے بعد جو دعا اختیار کر لی جائے اس کا باب اور یہ (دعا) واجب نہیں ہے۔ (۹) البخاری: ۱۳۷۷، مسلم: ۵۸۸/۱۳۱ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کا حکم دیتے تھے (مسلم: ۵۸۸/۱۳۰) لہذا یہ دعا تشہد میں ساری دعاؤں سے بہتر ہے، طاوس (تابعی) سے مروی ہے کہ وہ اس دعا کے بغیر نماز کے اعادے کا حکم دیتے تھے (مسلم:۵۹۰/۱۳۴)

○ اللهم إني أعوذ بك من عذاب القبر و أعوذ بك من فتنة المسيح الدجال وأعوذبك من فتنة المحيا و فتنة الممات ، اللهم إني أعوذبك من المأ ثم والمغرم [۱]

○ اللهم إنا نعوذبك من عذاب جهنم ، وأعوذبك من عذاب القبر وأعوذبك من فتنة المسيح الدجال وأعوذبك من فتنة المحيا والممات [۲]

○ اللهم إني ظلمت نفسي ظلماً كثيراً ولا يغفر الذنوب إلا أنت ، فاغفرلي مغفرة من عندك ، وارحمني إنك أنت الغفور الرحيم [۳]

○ اللهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت ، وما أنت أعلم به مني ، أنت المقدم وأنت المؤخر لا إله إلا أنت [۴]

۵۰: ان کے علاوہ جو دعائیں ثابت ہیں ان کا پڑھنا جائز اور موجبِ ثواب ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بکثرت پڑھتے تھے: " اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخره حسنة وقنا عذاب النار " [۵]

دعا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں طرف سلام پھیر دیتے تھے [۶]

السلام عليكم ورحمة الله ، السلام عليكم ورحمة الله [۷]

۵۱: اگر امام نماز پڑھا رہا ہو تو جب وہ سلام پھیر دے تو سلام پھیرنا چاہئے ،عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: " صلينا مع النبي صلى الله عليه وسلم فسلمنا حين سلم "، ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیرا [۸]

....

(۱) البخاری: ۸۳۲، مسلم: ۹۸۹ (۲) مسلم: ۵۹۰ (۳) البخاری: ۸۳۴، مسلم: ۲۷۰۵ (۴) مسلم: ۷۷۱ (۵) البخاری: ۴۵۲۲ (۶) مسلم: ۵۸۱، ۵۸۲ (۷) ابوداود: ۹۹۶، وھو حدیث صحیح ،الترمذی: ۲۹۵ وقال: ''حسن صحیح'' النسائی: ۱۳۲۰، ابن ماجہ: ۹۱۴، ابن حبان، الاحسان: ۱۹۹۰ ☆ تنبیہ: ابواسحاق الہمدانی نے'' حدثني علقمه بن قيس والأسود بن يزيد و أبو الأحوص " کہہ کر سماع کی تصریح کر دی ہے، دیکھئے السنن الکبری للبیہقی: ۲/ ۱۷۷ ح ۲۹۷۴، لہذا اس روایت پر جرح صحیح نہیں ہے، ابواسحاق سے یہ روایت سفیان الثوری وغیرہ نے بیان کی ہے والحمدللہ۔ اگر دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں تو بھی جائز ہے، دیکھئے سنن ابی داود (۹۹۷ وسندہ صحیح) (۸) البخاری: ۸۳۸ ،عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پسند کرتے تھے کہ جب امام سلام پھیر لے تو (پھر) مقتدی سلام پھیریں (البخاری قبل حدیث: ۸۳۸ تعلیقاً) لہذا بہتر یہی ہے کہ امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ہی مقتدی سلام پھیرے، اگر امام کے ساتھ ساتھ، پیچھے پیچھے بھی سلام پھیر لیا جائے تو جائز ہے دیکھئے فتح الباری (۲/ ۳۲۳ باب ۱۵۳، يسلم حين يسلم الإمام)

نماز کے بعد: اذکار

۱: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: " کنت أعرف انقضاء صلوة النبي صلى الله عليه وسلم بالتكبير" میں نبی ﷺ کی نماز کا اختتام تکبیر (اللہ اکبر) سے پہچان لیتا تھا[(۱)]

ایک روایت میں ہے کہ: '' ما كنا نعرف انقضاء صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم إلابالتكبير " ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ختم ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا مگر تکبیر (اللہ اکبر، سننے) کے ساتھ[(۲)]

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (پوری کر کے) ختم کرنے کے بعد تین دفعہ استغفار کرتے (استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ) اور فرماتے: '' اللهم أنت السلام ومنك السلام ، تباركت ذاالجلال والإكرام'' [(۳)]

۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم درج ذیل دعائیں بھی پڑھتے تھے:

لا إله إلاالله وحده لا شريك له ، له الملك وله الحمد ، وهو على كل شيء قدير ، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذاالجدمنك الجد [(۴)]

اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك [(۵)]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس [۳۳] دفعہ تسبیح (سبحان اللہ) تینتیس [۳۳] دفعہ حمد (الحمدللہ) اور تینتیس [۳۳] دفعہ تکبیر (اللہ اکبر) پڑھے اور آخری دفعہ '' لا إله إلا الله وحده لا شريك له ، له الملك وله الحمد وهو على كل شئي قدير " پڑھے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ (گناہ) سمندر کی جھاگ کے برابر (یعنی بہت زیادہ) ہوں[(۶)] تینتیس [۳۳] دفعہ سبحان اللہ، تینتیس [۳۳] دفعہ الحمدللہ، اور چونتیس [۳۴] دفعہ اللہ اکبر کہنا بھی صحیح ہے[(۷)] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد معوذات (وہ سورتیں جو قل اعوذ سے شروع ہوتی ہیں) پڑھیں[(۸)]

....

(۱) البخاری: ۸۴۲، مسلم: ۸۵۳/۱۲۰، ولفظہ:'' كنا نعرف انقضاء صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير " امام ابوداود نے اس حدیث پر " باب التكبير بعد الصلوة " کا باب باندھا ہے (قبل ح ۱۰۰۲) لہذا یہ ثابت ہوا کہ (فرض) نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کو اونچی آواز سے اللہ اکبر کہنا چاہئے، یہی حکم منفرد کے لئے بھی ہے '' أن رفع الصوت بالذكر " میں الذکر سے مراد " التكبير " ہی ہے جیسا کہ حدیث البخاری وغیرہ سے ثابت ہے، اصول میں یہ مسلّم ہے کہ: " الحديث يفسر بعضه بعضاً'' یعنی حدیث ایک دوسرے کی تفسیر (بیان) کرتی ہیں۔

(۲) مسلم: ۵۸۳/۱۲۱ (۳) مسلم: ۵۹۱ (۴) البخاری: ۸۴۴، مسلم: ۵۹۳ (۵) ابوداود: ۱۵۲۲ وسندہ صحیح، النسائی: ۱۳۰۴ وصححہ ابن خزیمہ: ۷۵۱ وابن حبان، الاحسان: ۲۰۲۰، ۲۰۲۱ والحاکم علی شرط الشیخین (۱/۲۷۳) ووافقہ الذہبی (۶) مسلم: ۵۹۷ (۷) دیکھئے مسلم: ۵۹۶ (۸) ابوداود: ۱۵۲۳ وسندہ حسن، النسائی: ۱۳۳۷ ولہ طرق آخر عند الترمذی: ۲۹۰۳ وقال: ''غریب'' وطریق ابی داود: صححہ ابن خزیمہ: ۷۵۵ وابن حبان، الاحسان: ۲۰۰۴ والحاکم (۱/۲۵۳) علی شرط مسلم ووافقہ الذہبی

ان کے علاوہ جو دعائیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان کا پڑھنا افضل ہے، چونکہ نماز اب مکمل ہو چکی ہے لہذا اپنی زبان میں دعا مانگی جا سکتی ہے (۱)

۴: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ آية الكرسي في دبر كل صلوة مكتوبة ، لم يمنعه من دخول الجنة إلا أن يموت (۲)

جس نے ہر فرض نماز کے آخر میں (سلام کے بعد) آیت الکرسی پڑھی، وہ شخص مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

....

(۱) نماز کے بعد اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے اور آخر میں اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے (البخاری فی الادب المفرد: ۶۰۹ وسندہ حسن) اس روایت (اثر) کے راویوں محمد بن فلیح اور فلیح بن سلیمان دونوں پر جرح مردود ہے، ان کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی، نیز دیکھئے فقرہ: ۱۵، حاشیہ: ۱۲، ص: ۴

(۲) النسائی فی الکبریٰ: ۹۹۲۸ (عمل الیوم واللیلۃ: ۱۰۰ وسندہ حسن، وکتاب الصلوۃ لابن حبان (اتحاف المہرۃ لابن حجر: ۶/۲۵۹ ح ۶۴۸۰)

فضائل جمعة المبارك

حافظ ندیم ظہیر

تمام دن اللہ رب العزت کے ہیں، لیکن ان دنوں میں جو فضیلت ''یوم جمعہ'' کو حاصل ہے وہ کسی اور دن کو نہیں ہے جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے اعزازات واختصاصات سے نوازا ہے، جن کی تفصیل نبی کریم ﷺ نے بتدریج بیان فرمائی ہے۔

بہترین دن: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة

''جس بہترین دن میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے'' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴ بترقیم دارالسلام)

آدم علیہ السلام کا یوم پیدائش: جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں داخلہ اور اسی دن جنت سے خروج ہوا جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

فيه خلق الله آدم وفيه أدخل الجنة ، وفيه أخرج منها (صحیح مسلم: ۸۵۴)

اسی (یوم جمعہ) میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی دن وہ جنت میں پہنچے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے

قیامت کا دن: جہاں یوم جمعہ کی اور بہت سی خصوصیات ہیں وہاں ایک اہم خصوصیت اسی دن قیامت کا ظہور پذیر ہونا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ولا تقوم الساعة إلا في يوم الجمعة ''اور قیامت جمعہ کے دن (ہی) آئے گی'' (صحیح مسلم: ۸۵۴)

عظمتِ جمعہ: یہی وجہ ہے کہ یوم جمعہ کی عظمت وجلالت کی بنا پر اس کائنات میں انسان اور جنات کے علاوہ ساری مخلوق یہ دن عاجزی وگریہ زاری کے ساتھ گزار دیتی ہے چنانچہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

وما من دابة إلا وهى مصيخة يوم الجمعة من حين تصبح حتى تطلع الشمس شفقاً من الساعة إلا الجن والانس

''جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام جاندار جمعہ کے روز صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک قیامت کے خوف سے گھبرایا ہوا ہوتا ہے'' (ابوداود: ۱۰۴۶ اِسنادہ صحیح بتحقیق استاد محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ)

یعنی انسان باوجود اس کے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت جمعہ کے روز ہی آئے گی'' غفلت کا شکار ہے آخرت کو بھلا کر دنیا کی رنگینیوں میں مبتلا ہے، جبکہ اس کے برعکس دوسرے جاندار (قیامت کے خوف سے) جمعہ کا دن پریشانی کی حالت میں گزارتے ہیں۔

سابقہ گناہوں کا کفارہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الصلوات الخمس، والجمعة إلى الجمعة ، ورمضان إلى رمضان مكفرات ما بينهن إذا اجتنبت الكبائر
''پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، رمضان سے (دوسرے آنے والے) رمضان تک اپنے اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے '' (صحیح مسلم:۲۳۳)
جمعہ کے دن اوراس کی رات فوت ہونے والے شخص کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:
من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي فتنة القبر '' جو آدمی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات (جمعہ سے پہلے والی رات) کو مرا اسے قبر کی آزمائش سے محفوظ کر دیا جاتا ہے'' (مسند احمد:۲/۲۲۰ح ۷۰۵۰ والمختارہ جامع الصغیر:۵۷۷۳
مزید تحقیق کے لئے دیکھئے استاذی حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی ''أضواء المصابیح تحقیق مشکوۃ المصابیح ''، رقم:۱۳۶۷)

قبولیت کی گھڑی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن في الجمعة لساعة لا يوا فقها عبد مسلم وهو قائم يصلي يسأل الله تعالىٰ شيأ إلا أعطاه إياه وأشار بيده يقللها
''جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو مسلمان بندہ بھی اس وقت میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں، آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے سمجھایا کہ یہ وقت بہت مختصر ہوتا ہے (بخاری ۸۹۳، مسلم:۸۵۲) دوسری حدیث میں فرمایا:
'' جمعہ کا دن بارہ گھڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں ایک گھڑی ایسی ہے جو مسلمان بھی اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے سوال کررہا ہو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں، اسے نماز عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو'' (ابوداود:۱۰۴۸، اسناد صحیح)
بعض علماء ''قبولیت کی گھڑی '' کے تعین میں اختلاف کرتے ہیں لیکن بحیثیت مسلمان ہمیں سارا دن رضا الٰہی کی تلاش میں گزار دینا چاہئے۔

تارک جمعہ کا انجام: جس طرح مذکورہ احادیث سے جمعہ کی فضیلت و اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ایسے ہی درج ذیل حدیث (اسے بلا عذر ترک کرنے کی وعید) سے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ تارک جمعہ، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے کر جہنم کا ایندھن بن رہا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لقد هممت أن آمر رجلاً يصلي بالناس ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم
''میں نے مصمم ارادہ کیا کہ کسی آدمی کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر جو مرد نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں انہیں ان کے گھروں سمیت جلا دوں '' (صحیح مسلم:۶۵۲)
مزید فرمایا: '' لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (مسلم:۸۶۵)
یارب العالمین ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جو جمعہ کے دن تیری رحمتیں، نعمتیں سمیٹتے ہیں اور ان فضائل کے اہل ہیں اور ان جیسا نہ کرنا جن کے دل تیری یاد سے غفلت کی بنا پر مختوم ہو چکے ہیں (آمین)

توضیح الأحکام

حافظ زبیر علی زئی

سوال وجواب/تخریج الاحادیث

شرک کا مفہوم　　عذاب قبر　　سینہ یا ناف پر ہاتھ رکھنے کا حکم

جناب مولانا حافظ زبیر صاحب السلام علیکم

کافی مہینوں سے آپ کی آواز نہیں سنی۔ اللہ آپ کو امن وعافیت میں رکھے، کافی دنوں سے سوچ رہا تھا، کہ آپ کو کچھ مسائل لکھوں اور آپ ان کا جواب اثری [1] صاحب کے پرچہ میں دنیا تک پہنچادیں۔

سوال نمبر ۱: ان میں سے اکثر (لوگ) باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہیں (سورۃ یوسف آیت نمبر ۱۰۶) کیا یہ لوگ قیامت کے بعد کا سارا عرصہ دوزخ میں رہیں گے یا، محمد رسول اللہ ﷺ کی آخری سفارش پر ان کو جنت مل جائے گی، جواب قرآن وحدیث کے دلائل سے پوری تفصیل کے ساتھ دیں۔

سوال نمبر ۲: میت پر عذاب ہوتا ہے زندہ لوگوں کے رونے سے جو کہ (بین کر کر کے روتے ہیں) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن عمر کا یقین ومرفوع (!) اپنے نبی ﷺ سے (بخاری، مسلم، نسائی، مؤطا امام مالک)

خلاف سوال نمبر ۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں: ''اللہ عافیت دے ابوعبدالرحمٰن کو (عبداللہ بن عمر) کو، وہ بھول گئے، ایک یہودن عورت کی قبر تھی جس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اوپر رو رہے ہیں اور نیچے اسکو عذاب قبر ہو رہا ہے۔

خلاصہ: دونوں میں سے صحیح کون ہیں؟ اگر دونوں صحیح ہیں تو حضرت عائشہ نے خلاف کیوں کہا؟ ان دونوں کا اصل پورے دلائل سے پوری دنیا تک پہنچے

سوال نمبر ۳: حالت نماز میں ہاتھوں کا ناف کے نیچے رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ یہ روایت کب سے شروع ہوئی اور اس کی اصل حالت کیا ہے، اور صفت کے لحاظ سے یہ روایت کون سے درجے تک ٹھیک یا غلط ہے۔

نوٹ: ہماری طرف سے آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں اور تمام طالبعلموں کو السلام علیکم، اپنے حالات اور اپنے علاقے کی مساجد کے حالات لکھ دیا کریں تا کہ آپ کی محنت پر ہم بھی تھوڑی خوشی کر لیں، اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو کامیاب فرمائیں آپکو اور آپ کے ساتھیوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں (آمین)

شیر بہادر خان

30 Dora Road Small Heath Birminghum U.K Tel :6896338

(۱) یہ جواب ''الحدیث حضرو'' میں شائع کیا جا رہا ہے۔ والحمدللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیں،: آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) شرک کی دو قسمیں ہیں

۱: شرک اصغر ۲: شرک اکبر

شرک اصغر: ریا کو کہتے ہیں محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إن أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر " مجھے تمہارے اوپر سب سے زیادہ ڈر شرک اصغر کا ہے

صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ شرک اصغر کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: '' الریا'' یہ ریا (دکھاوا) ہے (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۹ ح ۲۴۰۳۶ وسندہ حسن)

شرک اکبر : اللہ کی ذات، صفات خاصہ اور اسماء (ناموں) میں مخلوق کو شریک کرنا شرک کہلاتا ہے غیر اہل الحدیث محمد علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ: '' قال العلماء : الشرك على أربعة أنحاء ، الشرك في الألوهية والشرك في وجوب الوجود والشرك في التدبير والشرك في العبادة ''

''علماء نے کہا: شرک کی چار قسمیں ہیں۔ الوہیت میں شرک، واجب الوجود ہونے میں شرک، تدبیر میں شرک اور عبادت میں شرک'' (کشاف اصطلاحات الفنون ج ۱ ص ۷۷۱)

ابن منظور اللغوی نے لکھا ہے کہ: ''والشرك ان يجعل لله شريكاً''

''اور شرک یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت میں کوئی شریک بنادیا جائے'' (لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۴۹)

الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''غیر اللہ کو تمام عبادات میں یا کسی خاص عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا شرک اکبر کہلاتا ہے'' (فتح المجید رھدایۃ المستفید ج ۱ ص ۳۰۸، ۳۰۹) الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نواقض اسلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''ان میں سے سب سے بڑا شرک ہے مثلاً فوت شدہ بزرگوں کو پکارنا اور ان سے فریاد کرنا، بتوں، درختوں اور ستاروں وغیرہ سے حاجت روائی چاہنا''

(فتاوی ج ۲ ص ۱۵، اردو طبع دارالسلام لاہور)

الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ دورِ بعثتِ نبوی ﷺ کے مشرکین کا شرک کیسا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا: '' بعثتِ نبوی ﷺ کے دور کے مشرکین کا شرک ربوبیت میں نہیں تھا، کیونکہ قرآن کریم اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ صرف عبادات میں شرک کرتے تھے۔ رہی ربوبیت تو وہ ایک اللہ کو رب مانتے تھے، اسے مجبوروں کی دعائیں سننے والا اور مصیبتیں ٹالنے والا، وغیرہ تسلیم کرتے تھے، اللہ نے ان سے ربوبیت کا اقرار نقل کیا ہے لیکن وہ اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کر لیتے تھے، اور یہ شرک ملت (اسلامیہ) سے باہر نکال دیتا ہے'' (مجموع فتاوی ج ۱ ص ۲۶، العقیدۃ) شرکِ اکبر کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ:

انه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأواه النار "بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس پر اللہ

نے جنت حرام قرار دے دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے'' (المائدہ:۷۲)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

ان الـله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء "بے شک اللہ شرک نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جو وہ چاہے بخش دیتا ہے'' (النساء:۴۸)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھانے کے لئے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا:

لـئن اشركت ليحبطن عملك ولتكونن من الخاسرين "اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا'' (الزمر:۶۵)

معلوم ہوا کہ شرکِ اکبر کا مرتکب ابدی جہنمی ہے اسے کسی سفارش یا شفاعت کے ساتھ جہنم سے نہیں نکالا جائے گا۔ شفاعت تو امت محمدیہ میں سے صرف ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو دنیا میں کبیرہ گناہ کرتے تھے (مثلاً چوری، زنا، شراب نوشی وغیرہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**شفاعتي لأ هل الكبائر من أمتي** " میری شفاعت میری امت کے، کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے''

(سنن ابی داود:۴۷۳۹)

وھو حدیث صحیح وللحدیث طرق کثیرۃ عند الترمذي (۲۴۳۵) وغیرہ، شفاعت والی حدیث متواتر ہے دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی ص ۲۴۶، ۲۴۸)

۲: یہ بات بالکل صحیح ثابت ہے کہ میت پر لوگوں کے بین کر کے آواز کے ساتھ رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، یہ عذاب والی روایت اپنے مفہوم کے ساتھ درج ذیل صحابہ نے بیان کی۔

عمر بن الخطاب، عبداللہ بن عمر	(صحیح البخاری:۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸ و صحیح مسلم: ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹)
عمران بن حصین	(النسائی ۴/۱۵، ح ۱۸۵۰ و صححہ ابن حبان: ۷۴۲)
مغیرہ بن شعبہ	(البخاری:۱۲۹۱ و مسلم: ۹۳۳)
سمرہ بن جندب	(الطبرانی فی الکبیر ۷/۲۱۶ ح ۶۸۹۶) وغیرھم

یہ حدیث متواتر ہے دیکھئے قطف الازھار المتناثرہ فی الاخبار المتواترۃ للسیوطی (ح ۴۴) ونظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی (ح ۱۰۶)

اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عمر و دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، امیر المؤمنین فی الحدیث اور امام الدنیا فی فقہ الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يـعـذب الـميـت بـبـعـض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته فإذا لم يكن من سنته فهو كما قالت عائشة رضى الله عنها لا تزر وازرة وزر أخرى

''میت کو اس کے گھر والوں کے بعض رونے پیٹنے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے بشرطیکہ یہ رونا پیٹنا اس کی رضامندی سے جاری ہو

اور اگر وہ اس طریقے کو جاری کرنے والا نہیں تھا تو وہی بات ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ۳۲ قبل ح ۱۲۸۴)
یعنی اگر کوئی شخص رونے پیٹنے پر راضی تھا اور اس سے منع نہیں کرتا تھا تو اس پر عذاب ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص اس پر راضی نہیں تھا یا یہ حرکت خود بھی نہیں کرتا تھا اور اس سے منع کرتا تھا تو اس پر اس کی وجہ سے عذاب نہیں ہوگا۔
اس طرح دونوں طرح کے اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے اور یہی راجح ہے والحمدللہ

۳: نماز میں رکوع سے پہلے ہاتھ باندھنے پر لوگوں کے دو مسلک ہیں۔
اول: ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنی چاہیے
دوم: ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنی چاہیے
اول الذکر مسلک کی تائید میں احادیث صحیحہ موجود ہیں مثلاً دیکھئے صحیح البخاری (۷۴۰) وصحیح مسلم (۴۰۱/۵۴)
ثانی الذکر کی تائید میں ایک مرفوع حدیث موجود ہے (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۷۴ ح ۱۳۹) لیکن اس کا راوی خصیب بن جحدر کذاب ہے (مجمع الزوائد ۲/۱۰۲، ۱۳۵) لہذا یہ روایت کالعدم ہے۔
اول الذکر مسلک رکھنے والوں کے تین مشہور مذاہب ہیں:
۱: ناف سے اوپر سینہ پر ہاتھ رکھنے چاہئیں ۲: ناف پر ہاتھ رکھنے چاہئیں ۳: ناف سے نیچے ہاتھ رکھنے چاہئیں
اول الذکر (۱) کی مؤید درج ذیل مرفوع روایتیں ہیں

(ا) هلب الطائي رضى الله عنه : رأيت النبي ﷺ ..... يضع هذه على صدره "
(مسند احمد ٢٢٦/٥ ح ٢٢٣١٣ وعنه ابن الجوزي في التحقيق ٢٨٣/١ ح ٤٧٧ وسنده حسن)
(ب) عن طاووس (التابعي) قال : رسول الله ﷺ يضع يده اليمنىٰ على يده اليسرى ثم يشد بهما على صدره وهو في الصلوة (المراسيل لابي داود : ٣٣ والسنن : ٧٥٩)
اس کی سند طاوس تک حسن ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے لہذا ضعیف ہے۔
(ج) سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال : صليت مع رسول الله ﷺ ووضع يده اليمني على يده اليسرى على صدره (صحيح ابن خزيمه ٢٤٣/١ ح ٤٧٩ و احكام القرآن للطحاوى ١٨٦/١ ح ٣٢٩)
اس روایت کی سند سفیان ثوری تک حسن لذاتہ ہے، سفیان کا شاگرد مؤمل بن اسماعیل جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہے جیسا کہ راقم الحروف نے اپنے مضمون (نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام، مطبوعہ الآثار راولپنڈی: ربیع الثانی، جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ ص ۲۳، ۲۴) میں ثابت کیا ہے۔ [1]
امام ابن معین سے مروی ہے کہ انہوں نے مؤمل بن اسماعیل کو سفیان ثوری کی روایت میں ثقہ قرار دیا ہے (الجرح والتعدیل ۸/۳۷۴ وشرح علل الترمذی لابن رجب ص ۳۸۴، ۳۸۵)

ابن خزیمہ (۲۴۳/۱) ترمذی (۱۹۴۸) دارقطنی (۱۸۶/۲) حاکم (۳۸۴/۱) ذھبی اور ابن کثیر (التفسیر ۴۲۳/۴) نے مؤمل عن سفیان کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لہذا مؤمل مذکور: جمہور کے نزدیک سفیان ثوری سے صحیح الحدیث ہے۔

جمہور کی اس خاص توثیق کے مقابلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول: ''**وكذلك مؤمل بن إسماعيل في حديثه عن الثوري ضعف**'' (فتح الباری ۲۳۸/۹، ۲۳۹ بعد ح ۵۱۷۲) صحیح نہیں ہے معلوم ہوا کہ بعض الناس کا اس روایت میں مومل پر اعتراض صحیح نہیں ہے، وجۂ اعتراض صرف یہ ہے کہ سفیان الثوری مشہور مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں لہذا یہ سند ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

☆ ثانی الذکر (۲) مسلک کی تائید میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔

سیدنا علی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ فوق السرۃ (ناف کے اوپر) ہاتھ باندھتے تھے (سنن ابی داود: ۷۵۷) وحسنہ البیہقی ۲۹/۲، ۳۰، والحافظ ابن حجر فی تغلیق التعلیق ۳۳۴/۲ وھو حسن ولم یصب من ضعفہ)

فوق السرۃ (ناف کے اوپر) دو مطلب ہی ہو سکتے ہیں:

۱: ناف سے اوپر (یعنی سینے پر) ۲: ناف پر

☆ ثالث الذکر (۳) مسلک کی تائید میں درج ذیل، مرفوع روایات ہیں:

(۱) عن علي رضى الله عنه قال: من السنة وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة (أبو داود: ۷۵٦)

اس کا راوی عبدالرحمن بن إسحاق الکوفی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے نیز دیکھئے الآثار (حوالہ مذکورہ) ص ۱۹، ۲۰

(۲) عن أنس قال: من اخلاق النبوة تعجيل الافطار و تاخير السحور و وضع يمينك على شمالك في الصلوة تحت السرة (الخلافيات للبيهقي، قلمى ص ۳۷ ب، ومختصر الخلافيات ج ۱ ص ۳٤۲)

یہ روایت موقوف ہے اور اس کا راوی سعید بن زربی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے یہ روایت لکھنے کے بعد اسے ''لیس بالقوی'' قرار دیا ہے۔

تنبیہ: قاسم بن قطلوبغا (''کان کذاباً'' نقلاً / الضوء اللامع ۱۸٦/٦ عن المحدث البقاعی) نے سب سے پہلے یہ دعوی کیا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت مرفوعہ میں ''**تحت السره**'' کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن یہ دعوی مردود ثابت ہوا کیوں کہ کذاب کی بات تفرد کی صورت میں مردود ہوا کرتی ہے۔ بعد میں کراچی کے دیوبندیوں نے مصنف میں **تحت السره** کا اضافہ کر کے شائع کر دیا حالانکہ ہمارے پاس مصنف کے دو اہم نسخے ہیں۔

۱: مطبوعہ حیدرآباد الھند، ۱۳۸٦ھ، ۱۹٦٦م ج ۱ ص ۳۹۰ ۲: دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۴۱٦ھ ۱۹۹۵م ج ۱ ص ۳۴۲ ح ۳۹۳۸۔ ان دونوں نسخوں میں روایت مذکورہ کے ساتھ تحت السرہ کے الفاظ نہیں ہیں، خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی صاحب نے ایک اصول بتایا ہے کہ اگر ایک عبارت بعض نسخوں میں ہو اور بعض نسخوں میں نہ ہو تو وہ عبارت مشکوک ہوتی ہے۔

(۱) نیز میں نے ''اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن اسماعیل'' نامی رسالے میں تحریر کیا ہے جسے ان شاء اللہ ''الحدیث'' میں بھی شامل کیا جائے گا۔

(دیکھئے بذل المجھود ج ۴ص ۴۷۱ تحت ح ۷۴۸ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع) اس دیوبندی اصول کی رو سے دیوبندیوں کا عبارت مذکورہ (جس کا انہوں نے خود اضافہ کیا ہے) سے استدلال مردود و باطل ہے۔
خلاصہ یہ کہ تحت السرہ (ناف کے نیچے) کے الفاظ کسی صحیح مرفوع حدیث میں ثابت نہیں ہیں، اور نہ کسی صحابی سے یہ الفاظ ثابت ہیں۔ سنن ابی داود (۷۵۸) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی جو روایت آئی ہے اس کی سند عبدالرحمٰن بن اِسحاق الکوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔
حنفیوں، دیوبندیوں اور بریلویوں نے یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ (بذریعہ اپنے فقہاء) سے لیا ہے، کتابوں کی ورق گردانی کرتے کرتے انہیں ابومجلز تابعی کا قول مل گیا ہے کہ:
" ویجعلھما أسفل السرۃ " (اور دونوں ہاتھ ناف سے نیچے رکھے) بحوالہ ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۹۱ واسنادہ صحیح
ان لوگوں نے اس اثر کی دریافت کے بعد اسے پیش کرنا شروع کر دیا ہے مثلاً دیکھئے آثار السنن (ح: ۳۳۱ وقال: واسنادہ صحیح) گویا کہ انہوں نے یہ مسئلہ ابومجلز تابعی سے لیا ہے حالانکہ یہ تأثر غلط ہے۔ ان لوگوں نے یہ مسئلہ صرف اپنے مزعوم امام سے لیا ہے اور باقی صرف تائیدی روایات ہیں۔ مفتی احمد یار نعیمی بریلوی اعلان کرتے ہیں کہ:
''اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں، احادیث یا آیات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں.....'' (جاء الحق ج ۲ص ۹۱ قنوت نازلہ)
محمود الحسن دیوبندی فرماتے ہیں کہ: ''لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے'' (ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ طبع دیوبند) محمد قاسم نانوتوی صاحب نے کہا:
''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلے میں آپ جو قول بھی بطورِ معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے، یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں اُن کا مقلد نہیں'' (سوانح قاسمی ج ۲ص ۲۲)
مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے کہا کہ: '' غرض یہ کہ یہ مسئلہ اب تک تشنۂ تحقیق ہے، معہذا ہمارا فتوی اور عمل قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہی رہے گا، اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اُربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے'' (ارشاد القاری ص ۴۱۲) یہ حوالے اس لئے لکھے ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دیوبندی و بریلوی حضرات نہ تو ابومجلز کو مانتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کو، وہ صرف امام ابوحنیفہ یا اپنا پسندیدہ مفتی یہ قول ہی حجت مانتے ہیں اور بس!
باقی سب خیریت ہے، میری طرف سے آپ کو، فرمان بھائی اور تمام ساتھیوں کو بہت بہت دعا وسلام، مدرسہ بحمد للہ بخوبی چل رہا ہے، اس سال سات بچوں نے حفظِ قرآن مکمل کرلیا ہے والحمد للہ

سوال: سفیان ثوری کی تدلیس (عن والی روایت) مقبول ہے یا غیر مقبول؟ دلیل سے جواب دیں۔
(عبدالرحمٰن میر پوری لندن)

جواب: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں درج ذیل تحقیق پیش خدمت ہے۔
۱: سفیان ثوری رحمہ اللہ بالا جماع ثقہ وثبت ہیں، انہیں احمد بن حنبل، عجلی، دارقطنی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ کہا ہے امام نسائی فرماتے ہیں کہ: ''وہ اس سے بلند ہیں کہ انہیں ثقہ کہا جائے وہ میرے خیال میں متقین کے اماموں میں سے ایک امام تھے'' امام شعبہ نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث قرار دیا۔ دیکھئے تہذیب الکمال للمزی (۳۵۳/۷۔۳۶۴) ان کی بیان کردہ احادیث صحاح ستہ اور عام کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔
۲: اس پر بھی اتفاق ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ تدلیس کرتے تھے، ھشیم بن بشیر (متوفی ۱۸۳ھ) نے عبداللہ بن المبارک سے کہا: "**إن كبيريك قد دلسا :الأعمش و سفيان**" (الکامل لابن عدی ۲۵۹۶/۷، وسندہ صحیح والعلل الکبیر للترمذی: ۹۶۶/۲، وسندہ صحیح، والتأسیس ص ۳۰) یعنی تیرے دونوں بزرگوں: اعمش اور سفیان (ثوری) نے تدلیس کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: "**وكان يدلس**" یعنی سفیان ثوری تدلیس کرتے تھے۔ (الجرح والتعدیل: ۲۲۵/۴ وسندہ صحیح، الکفایۃ للخطیب ص ۳۶۱ وسندہ صحیح) سفیان ثوری کے شاگرد ابوعاصم (النبیل) نے کہا: ''**نرى أن سفيان الثوري إنما دلسه عن أبي حنيفة**" (سنن الدارقطنی: ۲۰۱/۳ ح ۳۴۲۳) امام بخاری نے کہا: ''**أعلم الناس بالثوري ، يحيى بن سعيد ، لأنه عرف ، صحيح حديثه من تدليسه**" (الکامل لابن عدی: ۱۱۱/۱ وسندہ صحیح) یعنی سفیان کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے یحییٰ بن سعید (القطان) ہیں، کیونکہ وہ ان کی تدلیس میں سے صحیح حدیثیں جانتے ہیں۔ یحییٰ القطان کی ثوری سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے دیکھئے (نور العینین طبع دوم ص: ۱۲۴) امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: "**والناس يحتاجون في حديث سفيان إلى يحي القطان لحال الاخبار يعني علي :أن سفيان كان يدلس و أن يحي القطان كان يوقفه على ماسمع مما لم يسمع**" (الکفایہ ص ۳۶۲، وسندہ صحیح) دیگر اقوال کے لئے نور العینین اور التأسیس فی مسألۃ التدلیس پڑھیں، غرض یہ کہ سفیان الثوری کا مدلس ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

☆ تنبیہ: حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ: "**روى البيهقي في المدخل عن محمد بن رافع قال قلت لأبي عامر :كان الثوري يدلس ؟ قال :لا ...... الخ**" یعنی بقول ابی عامر: سفیان ثوری تدلیس نہیں کرتے تھے، یہ حوالہ کئی لحاظ سے مردود ہے۔
۱: امام بیہقی کی کتاب المدخل میں یہ حوالہ نہیں ملا۔ ۲: سیوطی نے بیہقی سے لے کر محمد بن رافع تک سند بیان نہیں کی
۳: سیوطی نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے یہ عبارت المدخل سے نقل کی ہے یا کسی اور شخص سے المدخل کا حوالہ نقل کیا ہے
۴: محدثین کے ثابت شدہ اقوال وشہادات کے مقابلے میں یہ حوالہ شاذ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

☆ تنبیہ ۲: راقم الحروف نے نور العینین میں سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے کہ: '' حافظ العلائی کیکلدی نے

حافظ ابن حجر سے پہلے ان کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے '' (طبع قدیم ص:۱۰۲ وجدید ص:۱۲۷)
یہ حوالہ غلط ہے جس سے میں رجوع کرتا ہوں۔ صحیح عبارت درج ذیل ہے۔
'' امام حاکم نے حافظ ابن حجر سے پہلے ان کو طبقہ ثانیہ (جنس ثالث) میں ذکر کیا ہے'' (جامع التحصیل ص:۹۹ ومعرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص:۱۰۶) یہ امام حاکم کا قول ہے جو غلطی کی وجہ سے حافظ العلائی سے منسوب ہو گیا ہے، امام حاکم کے اس قول سے اس دعوی کو بڑی تقویت حاصل ہوگئی کہ سفیان ثوری کا شمار طبقہ ثانیہ میں غلط ہے بلکہ طبقات کی تقسیم والوں پر لازم یہی ہے کہ وہ انہیں طبقہ ثالثہ میں ذکر کریں۔
حنفیوں کے امام عینی حنفی نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے کہ: " **وسفيان من المدلسين والمدلس تحتج بعنعنته إلا أن يثبت سماعه من طريق آخر** '' (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲ باب الوضوء من غیر حدث)
یعنی سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسری سند سے اس مدلس کی تصریحِ سماع ثابت ہو جائے۔
سفیان ثوری ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے (دیکھئے میزان الاعتدال:۱۶۹/۲ ت ۳۳۲۲) ابوبکر الصیر فی کتاب الدلائل میں لکھتے ہیں کہ: " **كل من ظهر تدليسه عن غير الثقات لم يقبل خبره حتى يقول حدثني أو سمعت** "
ہر وہ شخص جس کی غیر ثقہ سے تدلیس ظاہر ہو تو اس کی صرف وہی خبر قبول کی جائے گی جس میں وہ حدثنی یا سمعت کے الفاظ کہے۔ (شرح الفیۃ العراقی رالتبصرۃ والتذکرۃ ج ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۵ والتأسیس فی مسئلۃ التدلیس ص:۳۷ مطبوعہ محدث: جنوری ۱۹۹۶) اس سے بھی معلوم ہوا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں، امام حاکم کی تائید اس بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن حبان نے لکھا ہے کہ: " **وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش وأبي إسحاق وأضرابهم** "
اور وہ مدلس جو ثقہ و عادل ہیں جیسے (سفیان) ثوری، اعمش، ابو اسحاق وغیرہم، تو ہم ان کی صرف انہی احادیث سے حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کرتے ہیں۔ (الاحسان:۹۲/۱، نسخہ محققہ:۱۶۱/۱)
تفصیلی بحث کے لئے نور العینین اور التأسیس پڑھ لیں۔

سوال: نماز ظہر سے پہلے دو سنت پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ (حافظ محمد سعد ہری پور)
جواب: ثابت ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: '' **صليت مع النبي ﷺ سجدتين قبل الظهر** '' (صحیح البخاری: ۱۱۷۲، صحیح مسلم: ح ۷۲۹)'' میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھی ہیں'' (ترقیم دار السلام: ۱۶۹۸، ومترجم مع تحریفات امین اوکاڑوی ج ۱ ص ۵۵۵)
اس روایت میں سجدتین کا لفظ ہے جس کا ترجمہ رکعتین ہے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت (جامع الترمذی:۳۴۲۳ وقال: حسن صحیح) میں '' **فإذا قام من سجدتين رفع يديه** '' سے مراد: من رکعتین ہے دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری بتحقیقی (ح ۱ ص ۳۲ طبع مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول پمپ فیصل آباد)

سید محبّ اللہ شاہ راشدی (۱) رحمہ اللہ کا ایک اہم مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام جناب محترم زبیر علی (زئی) صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد۔ مکتوب ملا، ابوایوب بھی (اور) ابو عثمان میرے پاس بھی آئے تھے اور یہی کچھ باتیں بھی کیں، ابوعثمان کو تو پہلے میں نہیں جانتا تھا لیکن ابوایوب تو ہمارے جانے پہچانے اور مخلص احباب میں سے تھے ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر میں متعجب ہوا اور یہ خیال ہوا کہ اس قسم کا انقلاب ان کے ذہن پر کیسے آگیا بہرحال **قلوب العباد بید الله یقلبها کیف یشآء (اللهم ثبت قلوبنا علی دینك)** آپ کے استفسارات کا جواب مختصراً حسب ذیل ہے۔

میرے ناقص خیال میں پہلا فتنہ اس قسم کا جماعت المسلمین والوں نے پھیلایا اب دوسرے فتنہ کا آغاز ان حضرات نے کیا ہے ان کا مقرر کردہ امیر المومنین یقینی طور پر ہاشمی ہو یا نہ ہو لیکن جہاں تک کتاب وسنت کا تھوڑا سا علم اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف کو عطا فرمایا ہے اس کی روشنی میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا طریقہ کار اور سارا معاملہ غلط ہے۔

صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہے آں محترم اس پر تدبر سے نظر ڈالیں تو ان کا سارا معاملہ غلط نظر آئے گا آپ جانتے ہیں کہ اس حدیث میں فتنوں کے دور کا ذکر ہے صحابی رضی اللہ عنہ دریافت کرتا ہے کہ ایسے دور میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**تلزم جماعة المسلمین وإمامهم**'' اس پر پھر انہوں نے عرض کیا کہ اگر جماعۃ المسلمین اور ان کا امام نہ ہو تو پھر کیا کروں؟ جواب ملا کہ ''**فاعتزل تلك الفرق کلها**'' یعنی پھر ان سب فرقوں سے الگ ہو جاؤ اگرچہ تمہیں درخت کی جڑوں کو چبا کر وقت گزارنا پڑے (**أو کما قال**) اب سوال یہ ہے کہ حدیث میں جو ''امام'' کا لفظ آیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ آیا اس سے مراد عام امیر ہے یا سارے عالم کا امام جس کو خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کہا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ حدیث کا سیاق اس پر دال ہے کہ امام سے مراد خلیفۃ المسلمین ہے کیونکہ عام اُمراء تو ایک خلیفہ کی موجودگی میں بھی بہت سے ہوتے ہیں اس لئے ایک ہی امیر کا لزوم چہ معنی دارد۔ لھذا اگر مراد ''امام'' سے خلیفۃ المسلمین ہی ہے (اور یقیناً یہی مراد ہے) تو پھر ان لوگوں سے بجا طور پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ بتائیں کہ جس وقت آپ نے اپنے اس جماعت کی تشکیل کی اور ایک آدمی کو امیر المومنین بنایا اس وقت سارے عالم اسلام میں اور اس کے کسی خطہ میں مسلمانوں کی جماعت یا اس کا امام تھا یا نہیں؟ اگر

(۱) جماعت المسلمین کے نام سے عربیوں کا ایک گروہ ہے جنہوں نے ایک کاغذی خلیفہ بنا رکھا ہے، یہ خلیفہ صاحب کافی عرصے سے انگلینڈ میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ شیخ محترم ابوالقاسم محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ نے یہ خط ان لوگوں کے رد میں لکھا تھا، جسے من وعن بغیر کسی ردوبدل کے شائع کیا جا رہا ہے، تاہم بعض جگہ ضروری حواشی لکھ دیئے ہیں۔

تھا تو آپ کو انہیں ہی لازم پکڑنا تھا نہ کہ اپنی نئی جماعت کی تشکیل کریں گو اس امام میں کچھ نقص بھی ہوں اور کچھ منکرات کا مرتکب بھی ہو پھر بھی انہیں کا ساتھ دینا ضروری تھا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ: میرے بعد آپ کو ایسے ائمہ سے سابقہ پڑے گا جو معروف و منکر کاموں میں مبتلا ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا **أفلا ننازعهم** اور ایک روایت میں **أفلا نقاتلهم** کہا تو جواب ملا:'' **لا ما أقاموا الصلوة** '' لہذا جو صحیح طور پر منتخب شدہ امام ہو تو اس میں اگر کچھ منکر اشیاء بھی ہوں تب بھی ان کا ساتھ چھوڑنا نہیں ہوگا جب تک نماز کا قیام و انتظام کرتے رہیں اگر ان کے خیال میں اس وقت عالم اسلام و ممالک اسلامیہ کے کسی خطہ میں بھی کوئی امام موجود نہ تھا اور نہ ہی جماعت مسلمانوں کی تھی تو اس صورت میں انہیں سب فرقوں سے معتزل ہو کر اپنی جگہ پر اللہ کی عبادت کرنا چاہئے تھا یا جنگلوں میں اور جبلوں [1] کے غاروں میں جا کر رہنا تھا کو انہیں درختوں کی جڑوں کو چبانا پڑتا لیکن انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے ارشاد مبارک کے برعکس تیسری صورت اختیار کر لی اور ایک جماعت المسلمین بنائی اور ان میں سے ایک امیر المومنین منتخب کر لیا کیا انہیں اللہ کے رسول ﷺ سے بھی زیادہ علم کی ادعاء ہے؟ جب اللہ کے رسول نے یہ تیسری صورت بیان نہیں فرمائی (ورنہ اگر اللہ کے رسول ﷺ کے خیال میں یہ تیسری صورت ہوتی تو صحابی رضی اللہ عنہ کو فرما دیتے کہ ایسی حالت میں تم خود جماعت بنالو اور ان میں سے ایک امیر منتخب کر کے اللہ کے احکام جاری کرتے رہو لیکن ایسا نہیں ہوا) تو انہیں یہ اصلاً حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی جماعت کی تشکیل کریں اور ان سے امیر المومنین منتخب کر لیں اور یہ خود ساختہ اور ادعائیہ تیسری صورت اختیار کریں چہ جائیکہ کہ وہ اس سے بڑھ کر دوسروں کو بھی مجبور کریں کہ وہ ان کی بیعت میں داخل ہو جائیں یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد سے صریح انحراف ہے باقی ان کا اپنے سوا سب یا سارے عالم اسلام پر کفر کا فتویٰ یا شرک کا الزام تو یہ نہایت خطرناک طرز عمل ہے حدیث میں آتا ہے کہ جو دوسرے کو کافر کہے اگر واقعۃً وہ کافر نہیں ہے تو خود ہو جائے گا لہذا ایسے فتویٰ میں متھور جری بے باک ہونا بڑی ہولناک صورت حال ہے، آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو جس نے ماشاء اللہ و شاء محمد (ﷺ) کہا ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا: '' **أجعلتني لله نداً قل ماشاء الله وحده أو ماشاء الله ثم ما شئت** '' (**أو كما قال** ﷺ) ایک تو خود ایک غلط طریقہ کار کا (اپنی طرف سے) اختیار کیا پھر اس پر طرہ یہ کہ اپنے سوا یا جو ان کے ساتھ مل کر ان کے بنائے ہوئے امیر کی بیعت میں داخل ہو (ئے) کے سوا سب کو مشرک و کافر قرار دیا اور ان سے قتال کا جواز بھی نکال لیا **فيا للعجب** ! چھوٹے چھوٹے امراء کا تو سنت الرسول ﷺ میں سراغ ملتا ہے دو صحابی مالک بن الحویرث وغیرہ رضی اللہ عنہما آپ سے فیض حاصل کر کے جب واپس ہو رہے تھے تو ان کو ارشاد فرمایا گیا کہ ''**وليؤ مكما أكبر كما** '' گویا دو آدمی سفر کریں تو ان میں بھی ایک کو امیر ہونا [2]

(۱) یعنی پہاڑوں　(۲) راقم الحروف کے خیال میں خلیفۃ المسلمین کی عدم موجودگی میں امارت کے چکر سے بہتر ہے کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر قرآن و حدیث پر خود عمل کیا جائے اور دعوت دنیا میں پھیلتی جائے اور دوسرے صحیح العقیدہ بھائیوں سے پوری شرعی محبت کی جائے، جماعتی تعصب سے اپنے آپ کو بالاتر رکھا جائے۔ تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے ، یہ چند جملے بطور اشارہ لکھ دیئے ہیں۔ زبیر علی زئی

چاہئے پھر چھوٹے چھوٹے سرایا بھیجتے تو ان کو ارشاد ہوتا کہ وہ امیر کی ضرور اطاعت کریں ہاں یہ سمجھایا کہ : " **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق** " یعنی اگر امیر اللہ تعالیٰ کی معصیت کا امر (حکم) دے تو اس کی اطاعت نہ کی جائے اسی طرح دوسرے شہروں مثلاً یمن وغیرہ کی طرف بھی امراء مقرر کر کے وہاں ان کو بھیج دیا گیا یہ سب اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ: " **وتعاونوا على البر والتقوى** " الآیۃ (المائدۃ:۱۴)

اور یہ تعاون جماعتی نظم ونسق کے سوا ہوتا نہیں، لہذا کوئی جماعت ہو اور اس کا امیر ہوتا کہ جماعتی کاموں کا بخوبی انتظام وانصرام ہو سکے۔ جو اجتماعی کام ہیں وہ انفرادی طور پر قطعی طور پر انجام نہیں دیئے جا سکتے ایک گھر بھی گھر کے سربراہ کے سوا دوسرے گھر کے افراد کے تعاون کے سوا گھر بھی نہیں چلا سکتا اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ چونکہ اس وقت پورے عالم اسلام کا واحد خلیفہ یا امیر المومنین موجود نہیں لہذا چھوٹے پیانے پر جماعت بنا کر ایک امیر مقرر کر کے اجتماعی کاموں کو بحسن وخوبی انجام دیا جا سکے اس لئے ہر ملک میں بشمول پاکستان اہل حدیث وغیرہ کی جماعتیں ہیں اور ان کا امیر بھی ہے اور معروف میں ان کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن خلیفہ کی طرح اس سے بیعت ضروری نہیں ۔جس طرح عہد رسالت میں امراء کی اطاعت کا تو حکم دیا جاتا تھا لیکن اس سے بیعت عام نہیں ہوتی تھی بیعت صرف اللہ کے رسول ﷺ یا ان کی رحلت کے بعد ان کی جگہ پر جو خلیفہ ہو اس کی ہی ہوگی اب چونکہ ایسا خلیفہ نہیں تو صرف اطاعت معروف کرنی چاہئے باقی یہ جو کہتے ہیں کہ جس کی گردن میں امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرے گا یہ صحیح ہے لیکن جب ایسا خلیفہ وامام موجود ہو [۱]، اگر وہ عالم اسلام کے کسی خطہ میں ہے ہی نہیں تو پھر بیعت آخر کس سے کی جائے؟ لہذا حالت (حاضرہ) [۲] میں ان شاءاللہ ہم پر میتۃ جاہلیۃ کے الفاظ منطبق نہیں ہوں گے (**اللهم اهدنا الى سواء الصراط**) باقی رہا ''اہل حدیث'' کا لقب تو یہ محض لقب واصطلاح ہے جو اصحاب الرائے وجھمیہ، روافض وغیرہم جو باطلہ [۳] فرقے ہیں ان سے امتیاز کے لئے اختیار کیا گیا ہے ویسے ہم والحمدللہ مسلمان (مسلم) ہیں لیکن اس لقب و اصطلاح سے ہم ان باطلہ فرقوں [۳] سے ممتاز ہو جاتے ہیں مسلمان تو سب ہیں لیکن کسی خاص اصطلاح کی وجہ سے اس کی طرف انتساب نہ برا ہے نہ ممنوع نہ غیر مشروع بہت سے مسلمان ہیں لیکن وہ نحوی، ادیب، لغوی کلامی وغیرہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں لیکن آج تک کسی نے اس انتساب پر اعتراض نہیں کیا خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

" **والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان الآية** " (سورۃ التوبہ ع ۱۳ پ ۱۱)

اور" **لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه في ساعة العسرة الآية** (التوبہ ع ۱۴ پ ۱۱)

کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ **والسابقون الاولون من المسلمين والذين اتبعوهم باحسان** اس طرح

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے حدیث'' من مات وليس له امام ، مات ميتة جاهلية ' کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا : ''أتدري ما الامام ؟ الامام الذي يجمع المسلمون عليه ، كلهم يقول هذا إمام ، فهذا معناه " کیا تجھے پتے ہے کہ امام سے (یہاں) کیا مراد ہے؟ امام (خلیفہ) وہ ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو، ہر مسلمان یہ کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے، یہ ہے اس کا معنی (المسند من مسائل الامام احمد للخلال ق:ا بحوالہ الامامۃ العظمی عند أهل السنۃ والجماعۃ ص ۲۱۶، ۲۱۷) (۲) اصل میں '' راھنہ'' کا لفظ ہے واللہ اعلم (۳) یعنی باطل

المسلمین کے لفظ میں مہاجر و انصار بھی آسکتے تھے اسی طرح **لقد تاب الله علی النبی و المسلمین** فرمایا جاتا لیکن نہیں ان سب مسلمانوں کو ان کی صفات کے لحاظ سے مہاجر و انصاری میں منقسم فرما کر ان کی طرف نسبت کر دیا جس سے معلوم ہوا۔ جس کسی فرد یا جماعت میں کوئی خاص وصف امتیازی ہو تو مسلمون میں شمولیت کے باوصف ان صفات کی طرف ان کا انتساب کوئی معیوب چیز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے ورنہ پھر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہم یہ سب کے سب بدعتی ٹھہرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود ان کی کتب سے احادیث و روایات اپنے موقف پر استدلال کرتے رہتے (ہیں) کیا بدعتیوں کی کتب سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں؟ اور وہ بھی ان کی لائی ہوئی احادیث سے؟ اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہم کی کتب میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے ہم مشرب محدثین کو اہل الحدیث و اصحاب الحدیث سے یاد کرتے ہیں۔ اور جہاں تک میرا ناقص علم ہے تو میں نے ابتدائی دور اسلام سے لیکر چودھویں صدی ہجری کے تقریباً نصف تک کسی نے بھی اس لقب (اہل حدیث) کو بدعت نہیں کہا[1] یہ کتب تواریخ و سیر آپ کے سامنے موجود ہیں، آپ ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے بلکہ یہ کتب تو یہ لقب اصحاب الرأی سے امتیاز کیلئے اپنی کتب میں ذکر کرتے ہیں تو کیا سب ساڑھے تیرہ صدیوں کے محدثین، فقہاء، ائمہ اسلام، مؤرخین، اصحاب السیر احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام پر کتب لکھنے والے بلکہ اور بھی سب مسلمان بدعتی ہی تھے؟ کہنے سے کوئی من چلا اس قسم کی بات منہ سے نکال تو سکتا ہے، اس کو دنیا کے سارے عقلاء کیا کہیں گے گویا اسلام کی تاریخ میں اتنا بڑا دور جو ساڑھے تیرہ سو سال تک جا پہنچا ہے بدعتیوں کا مجموعہ تھا اور آج یہ مٹھی بھر مدعیان بدعت سے آزاد ہو کر اب صحیح اسلام پا چکے ہیں آپ ہی سوچیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر اس طرح بے تحاشا بے پر کی بات کہنا اور بچوں کی بڑھ بکنا انہیں کو مبارک ہو ، علاوہ ازیں صحیح حدیث میں (**هو سماكم المسلمين و المؤمنين**) بھی آیا ہے تو وہ کیوں اپنے کو جماعت المومنین نہیں کہتے؟ میرے خیال میں یہ سب اتباع ھوی[2] ہے جو شیطان نے ان کو مزین کر کے دکھایا ہے اور وہ اس پر بے لگام و بغیر کنٹرول و احتیاط کے سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں ، **فإلى الله المشتكى** ، بالجملہ اہل حدیث کوئی فرقہ نہیں یہ محض لقب و اصطلاح ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ہاں اگر کسی جماعت نے اپنی طرف سے غلطی کی وجہ سے جماعت کو فرقہ بندی کا رنگ دے دیا ہے تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں لیکن سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا عقل مندی نہیں ہے، میرے پاس ابوایوب آئے تھے اور بہت سی باتیں اپنے رنگ میں کہیں کہ میں غلط فہمی سے کچھ ان سے متاثر ہوا لیکن ان کے جانے کے بعد میں نے جو اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثوں پر غور و فکر کیا تو سارا معاملہ صاف ہو گیا، اور وہ وعدہ کر گئے تھے کہ کراچی سے دو تین دن کے بعد وہ واپس میرے پاس آئیں گے تو میں نے ان پر بھروسہ کر کے یہ بات دل میں رکھی کہ جب وہ آئیں گے تو ان کو یہ باتیں بتائی جائیں گی لیکن کافی عرصہ گزر گیا وہ ابھی تک واپس نہیں آئے واللہ اعلم آئیں گے بھی یا نہیں۔

(۱) اہل الحدیث لقب کے جائز ہونے پر محدثین کرام اور تمام سلف صالحین کا اجماع ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ اجماع شرعی حجت ہے دیکھئے ص
(۲) خواہش پرستی

بہرحال جو علم اللہ نے مجھ احقر العباد کو عطا فرمایا ہے اس کی روشنی میں میں (نے) آپ کے استفسارات کا جواب دے دیا ہے اگر صحیح ہے تو وہ من عنداللہ ہیں اور اسی وحدہ لاشریک لہ کا احسان وکرم وفضل ہے اور بصورت دیگر یہ غلط ہیں تو میرے نفس کی خطاء ہے۔

والانسان مرکب من الخطاء والنسیان ، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ اجمعین إلی یوم الدین (آمین)

والسلام

احقر العباد، اخوکم : **ابو قاسم محب اللہ شاہ عفاء اللہ عنہ**

۲۰-۵-۱۴۱۴ھ ، ۹۳-۱۱-۶ م

تذکرۃ الاعیان　　　　　　　　　　　　حافظ زبیر علی زئی

مبلغِ اسلام: حاجی اللہ دتہ صاحب

جن شیوخ سے میں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، حاجی اللہ دتہ صاحب ان میں سے سرفہرست ہیں، راقم الحروف نے سنن ابی داود پر: ۱۰۸۹ اصفحات پہ مشتمل ''نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود'' کے نام سے عربی زبان میں حاشیہ لکھا ہے جس میں تخریج وتحقیق کے ساتھ ساتھ فقہی فوائد ولغوی تشریحات بھی ہیں۔اس حاشیہ میں ایک جگہ راقم الحروف نے لکھا ہے کہ: '' ویدل هذا الحديث ...... على ترك الصلوة ، خلف المبتدع والفاسق ونحوهما وكذا استدل به شيخنا الإمام المتقن أبو الرجال الله دته بن كرم إلهي بن أحمد دين تهمن السوهد روي رحمه الله ''
(نیل المقصود ج ۱ ص ۱۷۳، حدیث ۴۸۱)

گونا گوں مصروفیات کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اب موقعہ عطا فرمایا ہے کہ شیخ محترم رحمہ اللہ کے حالات تحریر کئے جائیں۔

پہلی ملاقات:

ایک عرصہ پاکستان سے باہر رہنے کے بعد، ۱۹۸۰ عیسوی کے آخر میں جب پاکستان آیا تو کچھ دوستوں نے بتایا کہ، حاجی اللہ دتہ صاحب، کامرہ ائیر بیس (Air Base) سے آکر ہر جمعہ حضرو شہر میں درس دیتے ہیں، اہل حدیث عالم ہیں، ان کا درس انتہائی مفید اور معلوماتی ہوتا ہے۔

چنانچہ جمعہ کے دن درس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ انتہائی پروقار سفید گندمی چہرہ، موتیوں جیسے دانت، گھنی سیاہ لمبی داڑھی مونچھیں استرے (۱) سے مونڈی ہوئیں، دراز قد ورزشی جسم، صاف ستھرا سفید لباس زیب تن کئے ہوئے، سر کے گھنے بالوں پر سرخ سعودی رومال، یہ تھے حاجی اللہ دتہ صاحب رحمہ اللہ اور ان سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

ولادت باسعادت:

حاجی ابوفھد (ابوالرجال) اللہ دتہ بن کرم الٰہی بن احمد دین، مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۲ عیسوی، سوھدرہ، وزیرآباد پنجاب کے ایک بریلوی خاندان میں پیدا ہوئے اسلامی مہینوں میں رمضان کا مہینہ تھا۔

آپ کے بیٹے عبدالقدیر کی روایت ہے کہ: بچپن میں آپ نے قرآن مجید ایک بریلوی مولوی صاحب سے پڑھا، ایک دن اس مولوی صاحب نے کہا: '' بیٹا! قرآن مجید کا ترجمہ نہ پڑھنا ورنہ وہابی ہو جاؤ گے'' حاجی اللہ دتہ صاحب کو یہ بات ایسی ناپسند و ناگوار گزری کہ انہوں نے اس مولوی صاحب کا درس چھوڑ کر یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ میں قرآن مجید کا

(۱) امام احمد بن زہیر بن حرب رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں: " حدثنا عبيدالله بن عمر قال : خرج ابن عيينة يوماً وقد حلق شاربه ، فضحك ثم قال : رأيت فی المنام كأن أسناني كلها وقعت فأولت أن أبنائي يموتون و أبقى " (اخبار المكيين من كتاب التاريخ الكبير : ص ۳۷۸ ، ۳۷۹ ح ۳۸۷) سنده صحيح ، عبيدالله هو ابن عمر بن ميسرة القواريري رحمه الله ، اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) اپنی مونچھیں استرے سے منڈاتے تھے۔

ترجمہ ضرور پڑھوں گا۔ قرآن مجید تو اللہ کا کلام ہے اس کا ترجمہ ہمیں ضرور معلوم ہونا چاہیے تاکہ ہم اپنی زندگی اپنے رب کے احکامات کے مطابق گزار سکیں، یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے کہ قرآن کا ترجمہ پڑھنے سے آدمی وہابی ہو جاتا ہے۔؟

اصل بات یہ ہے کہ اگر خلوص دل سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا جائے تو شرک و بدعت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور اللہ و رسول کی اطاعت، توحید و سنت کا اعلیٰ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی انتہائی تعجب انگیز ہے کہ جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں کہ: '' عوام کے لئے ترجمہ قرآن شریف دیکھنا مضر ہے '' (اشرف الجواب ص ۱۸۵، فقرہ: ۴۶)

خوشحال بابا:

خوشحال بابا حاجی اللہ دتہ صاحب سے بے پناہ محبت کرتے تھے وہ بوٹا گاؤں ضلع اٹک کے رہنے والے، بالکل کورے ان پڑھ تھے مگر قرآن مجید کا ترجمہ سن رکھا تھا، انتہائی دلیر، مجاہد اور زبردست موحد تھے رحمہ اللہ، ایک دفعہ انہوں نے ایک مولوی کو وعظ میں یہ کہتے سنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام ما کان وما یکون کا سارا علم غیب جانتے ہیں۔ خوشحال بابا (متوفی ۲۰۰۳ء) نے اس مولوی صاحب سے کہا کہ قرآن سے ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں والا واقعہ پڑھ کر لوگوں کو سنا دو، مولوی صاحب نے یہ واقعہ تو نہیں سنایا، مگر خوشحال بابا نے زبانی سنا دیا کہ جب فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے تو انہوں نے بچھڑا ذبح کر کے ان کے سامنے پیش کر دیا تھا، فرشتوں نے کھانا نہ کھایا تو ابراہیم علیہ السلام کو خوف (دامن گیر) ہوا (مثلاً دیکھئے سورہ الذاریات: ۲۴۔۳۱) بابا خوشحال نے اس مجلس و وعظ میں کہا تھا کہ اس قرآنی قصے سے تین باتیں ثابت ہیں۔

۱: انبیاء کرام (کلی، سارا، ما کان وما یکون والا) غیب نہیں جانتے ورنہ ابراہیم علیہ السلام کبھی فرشتوں کے لئے گوشت پکا کر نہ لاتے، البتہ اللہ نے وحی کے ذریعے جو بتا دیا وہ ضرور جانتے ہیں۔

۲: فرشتے غیب نہیں جانتے ورنہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو بچھڑا ذبح کرنے سے منع کر دیتے۔

۳: اولیاء غیب نہیں جانتے ورنہ ابراہیم علیہ السلام کی ولیہ بیوی، بچھڑا ذبح کرنے سے انہیں روک دیتی۔

مولوی صاحب نے چپ رہتے ہوئے راہِ فرار اختیار کی۔

تعلیم:

ترجمہ پڑھتے ہی حاجی اللہ دتہ صاحب نے کتاب و سنت کا راستہ یعنی مسلک اہلحدیث اختیار کیا، آپ نے ابتدائی تعلیم سوہدرہ تحصیل وزیر آباد سے حاصل کی، سکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ''جامعہ اصحاب صفہ '' سوہدرہ تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں داخلہ لیا۔ آپ جامعہ میں چار سال تک پڑھتے رہے ترجمہ قرآن، صرف ونحو، تفسیر اور مشکوۃ شریف میں زبردست کامیابی حاصل کی، اور ساتھ ساتھ میٹرک کا امتحان ''سکاٹ مشن ہائی سکول وزیر آباد'' سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔

آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی حافظ محمد یوسف رحمہ اللہ اور مولانا ابوالسلام محمد صدیق بن عبدالعزیز السرگودھوی انتہائی قابل ذکر ہیں ۔آپ نے اپنے شوق کی خاطر ''پاکستان ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ سٹیشن صدر'' کراچی سے ریفریجریشن اور ائیر کنڈیشن میں بھی فرسٹ ڈویژن میں ڈپلومہ حاصل کیا۔سرگودھا میں آپ نے مولانا ابوالسلام محمد صدیق کی شاگردی اختیار کی اور ان سے فنِ حدیث، جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کا علم بخوبی سیکھا۔مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ اسماء الرجال کے زبردست ماہر تھے، میں نے اپنی کتاب میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: " شيخ الحديث ، ثقة ، حجة إمام ، فقيه أصولي ، محدث مدرس من كبار علماء الجرح والتعديل ، كلامه كالمسمار في الحجر ، وكان لا يخضب رحمه الله ، ترجمته في " تذكرة علماء أهل حديث " ج۲ص۳۴۱،۳۴۴ ''(انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل ص۱۰۱) مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ، علمِ فرائض (میراث) کے بہت بڑے ماہر تھے۔حاجی صاحب نے علمِ میراث ان ہی سے سیکھا تھا۔ مولانا محمد صدیق صاحب کی وفات ۱۶۔اپریل ۱۹۸۸ء کو ہوئی۔

ملازمت:

۱۹۵۷ء میں حاجی صاحب پاکستان ائیرفورس میں ملازم ہوئے، آپ ملیر، سرگودھا، اور کامرہ رہے، عبدالقدیر بن اللہ دتہ بیان کرتے ہیں کہ: ''ایک دفعہ آپ نے اٹامک انرجی کمیشن میں امتحان دیا تو اول پوزیشن حاصل کی، انٹرویو میں کہا گیا کہ آپ جیسے لوگوں کی پاکستان کو بہت ضرورت ہے، لیکن آپ کو داڑھی منڈوانا ہوگی، تنخواہ بھی بہت اچھی تھی مگر آپ نے کہا: ''مجھے ایسی سروس منظور نہیں، میں داڑھی نہیں کٹوا سکتا، ہاں نوکری چھوڑ سکتا ہوں'' لہذا انہوں نے یہ نوکری ٹھکرا دی۔حاجی صاحب داڑھی کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت کے قائل نہیں تھے، آپ اس شخص کا نکاح جس کی داڑھی مونڈی ہوئی ہو خود نہیں پڑھاتے تھے اور کہہ دیتے کہ: کسی اور شخص سے پڑھوالو۔

۱۹۷۴ء میں آپ سعودی عرب میں رہے اس دوران عربی میں کافی مہارت حاصل کی ۔آپ اہلِ زبان کی طرح عربی بولتے تھے، وہاں پر حج عمروں کے دوران آپ کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہا، آپ حق بیان کرنے والی بے نیام تلوار تھے، کسی کا خوف آپ کے قریب سے بھی نہیں پھٹکتا تھا۔حاجی صاحب انگریزی زبان بولنے کے بھی بہت ماہر تھے، ایک دفعہ میراج فیکٹری کامرہ میں اردن اور ابوظہبی کے کچھ عرب ساتھی ٹریننگ کے لئے آئے ہوئے تھے، حاجی صاحب نے انہیں انگلش میں پڑھانا شروع کر دیا، انہیں جب معلوم ہوا کہ حاجی صاحب عربی جانتے ہیں تو یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں عربی میں پڑھائیں، اس کے بعد ان عرب ساتھیوں کو حاجی صاحب عربی زبان میں پڑھاتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی عربی عالم ہے جو درس دے رہا ہے، آپ دورانِ درس عربی میں فی البدیہ بہترین لطائف بیان کرتے جن سے وہ بڑے محظوظ ہوتے تھے ۔۱۹۷۹ء میں آپ وارنٹ آفیسر کے عہدہ کے ساتھ کامرہ میراج فیکٹری پہنچے اور یہیں ۱۹۸۵ء میں ماسٹر وارنٹ کی حیثیت سے ریٹائیرڈ ہوئے۔آپ کی تبلیغ کا مرکز کامرہ، حضرو، اٹک اور واہ کینٹ رہا۔آپ ضلع اٹک کے سب تمام اہل حدیث کے سرپرست اعلیٰ تھے۔آپ کی جلالت شان پر سب کا اجماع تھا۔

نمازِ جمعہ کا آغاز:

۱۹۸۰ء کے اواخر سے میں نے باقاعدہ حاجی صاحب کے دروس اور پروگراموں میں شامل ہونا، مختلف دینی امور پر بار بار سوال کر کے ان سے کتاب وسنت کا علم حاصل کرنا شروع کیا، چونکہ ہمارے گاؤں میں (جو کہ اب حضرو شہر کا ایک محلّہ ہے) نماز جمعہ نہیں ہوتی تھی، ہم نے مشورہ کیا اور والد محترم حاجی مجدد صاحب کی اجازت سے ۱۹۸۲ء میں نماز جمعہ کا آغاز اس مسجد میں کیا جو والد صاحب نے تعمیر کی تھی، محلّہ پیرداد شہر حضرو ضلع اٹک میں یہی مسجد بعد میں مسجد اہل الحدیث کے نام سے ضلع اٹک میں سلفی اہلحدیث دعوت کی بنیاد بنی، پہلی نماز جمعہ میں درج ذیل اشخاص حاضر ہوئے۔ ا: حاجی اللہ دتہ صاحب ۲: حافظ زبیر علی زئی ۳: نذیر صاحب (گوجرانوالہ) ۴: بابا شریف صاحب (گوجرانوالہ) ۵: ایک ساتھی۔

رفتہ رفتہ سلفی دعوت چاروں طرف پھیل گئی اب ہماری (اہل حدیث کی) درج ذیل مساجد اس علاقے میں موجود ہیں، والحمدللہ ا: مسجد اہل حدیث اٹک شہر ۲: مسجد اہل حدیث محمدی، بوٹا۔اٹک ۳: مسجد اہل حدیث مرزا، اٹک ۴: مسجد اہل حدیث سنجوال، اٹک ۵: مسجد اہل حدیث کامرہ ۶: محمدی مسجد اہل حدیث ہٹیاں ۷: مسجد ابو ہریرہ حضرو ۸: مسجد اہل حدیث پیرداد ۹: مسجد انس بن مالک لنڈی (اعوان آباد) گوندل اٹک ۱۰: مسجد محمدی اہل حدیث لکوڑی ۱۱: مسجد اہل حدیث دامان ۱۲: مسجد اہل حدیث خالو غازی یہ سب مساجد اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم اور حاجی اللہ دتہ صاحب کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہیں۔

خطیب ومناظر:

حاجی صاحب بہترین خطیب اور کامیاب مناظر تھے، آپ کا خطبہ لوگ بڑے شوق سے سنتے تھے، خطبے کو قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان کے اشعار سے بھی مزین کرتے۔ آپ کا خطبہ اردو زبان میں ہوتا تھا، قرأت انتہائی عمدہ، تجوید کے اصولوں کے مطابق اور مخارج الحروف کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

''جماعت المسلمین رجسٹرڈ'' نامی جماعت کے بانی مسعود احمد بی ایس سی سے آپ کا مناظرہ ہوا تو مسعود صاحب مناظرہ ادھورا چھوڑ کر ہی فرار ہو گئے تھے، بعض اہل بدعت آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف ایم ڈی تک شکائتیں پہنچاتے مگر آپ کبھی نہ گھبراتے اور حق بات کوڈنکے کی چوٹ پر بیان کرتے، آپ ایم ڈی صاحب کو بھی قرآن وحدیث کی دعوت سناتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایم ڈی صاحب سے کہا: ''کیا آپ قرآن وحدیث کو نہیں مانتے؟'' انہوں نے کہا: ''میں مانتا ہوں'' تو آپ نے فرمایا: ''پھر تو آپ بھی اہل حدیث ہوئے'' کیونکہ اہل حدیث وہی ہوتا ہے جو قرآن وحدیث کو مانتا ہے، ایم ڈی صاحب لاجواب ہو گئے۔

جتیال گاؤں میں ایک دفعہ عزیز الاسلام کے گھر، درس قرآن کے دوران شر پسندوں نے آپ پر حملہ کر دیا مگر آپ ثابت قدم رہے، اللہ نے شر پسندوں کو ذلیل کیا، اس واقعے میں شر پسندوں نے موٹر سائیکل اور سائیکلوں کو بھی بہت نقصان

پہنچایا تھا۔عبدالبصیر صاحب،عزیز الاسلام صاحب اوران کے ساتھی آپ کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن گئے تھے۔ شر پسندوں کے اس حملے کے بعد محترم عزیزالاسلام کے سارے بھائی اہل حدیث ہو گئے تمام فسادی اور شر پسند حضرات ذلیل ورسوا ہوئے۔ایک دفعہ بہادر خان گاؤں،ضلع اٹک میں بریلوی اور دیوبندیوں کے درمیان جنازے کے بعد دعا پر مناظرہ تھا،اس مناظرے میں حاجی اللہ دتہ صاحب بھی موجود تھے،بریلویوں نے ''المبسوط للسرخی '' سے ایک روایت پیش کر کے دیوبندیوں کو پریشان کر دیا تھا،حاجی صاحب نے مناظرہ سے اجازت لے کر روایتِ مذکورہ کی سند طلب کی اور کہا کہ: حدیث وہی قابل قبول ہوتی ہے،جس کی سند موجود ہواور یہ سند اصول حدیث کی رو سے صحیح ہو۔ بریلوی حضرات روایتِ مذکورہ کی سند پیش نہ کر سکے اور شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ شخص حزب اللہ والا اور اہل حدیث ہے اسے مجلس سے نکال دو۔حاجی صاحب اہل حدیث تو ضرور تھے مگر کراچی والی حزب اللہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔اس ''حزب اللہ '' کی بنیاد ڈاکٹر مسعود عثمانی صاحب نے رکھی تھی۔

ہمارے گاؤں (حال: محلّہ حضرو) کے ایک ''تبلیغی بھائی '' اہل حدیث کے سخت خلاف تھے،ایک دفعہ وہ حاجی صاحب سے بحث کرنے لگے،حاجی صاحب نے تبلیغی نصاب کا حوالہ دیا۔اس شخص نے انکار کر دیا حاجی صاحب نے مجھے کہا کہ تبلیغی نصاب لے آؤ،بہت پرانا واقعہ ہے لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں دوڑتے ہوئے تبلیغی نصاب لے آیا تو حاجی صاحب نے فوراً ''فضائل درود ''میں سے حوالہ نکال کر اس شخص کے سامنے پیش کر دیا،وہ شخص سخت شرمندہ ہوا اور فوراً راہِ فرار اختیار کی۔

ایک دفعہ دیوبندی مدرسہ '' اشاعت القرآن حضرو '' کے مولوی امتیاز صاحب نے واہ کینٹ میں اہل حدیث کو مناظرے کا چیلنج کیا تو حاجی صاحب اور میں واہ کینٹ پہنچ گئے،وہاں مولوی صاحب نے گھبرا کر اس کاغذ پر دستخط کر دیئے تھے جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ '' ۱: تقلید شخصی کتاب وسنت کے خلاف ہے ۲: مقتدی کی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں ہوتی۔حاجی صاحب نے مولوی امتیاز صاحب سے مسکراتے ہوئے کہا کہ: ہمارا اور آپ کا جھگڑا ختم ہو گیا ہے، آپ نے اس دعوی پر دستخط کر دیئے ہیں جس پر میں نے دستخط کئے ہیں،معلوم ہوا کہ ہمارا اور آپ کا دعوی ایک ہی ہے، مولوی امتیاز صاحب شرمندہ ہو کر بھاگ گئے۔اصل تحریر درج ذیل ہے۔

سکیننگ

قوت حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قوتِ حافظہ بخشی تھی، آپ اور میں جب کسی مناظرے یا پروگرام میں جاتے تو واپسی پر آپ دوسرے دوستوں کو اس مناظرے یا پروگرام کی باریک باریک تفاصیل من وعن بیان کر دیتے تھے، مثلاً کہتے تھے کہ: وہاں مجھے پیاس لگی، فلاں شخص گلاس میں پانی لے آیا، میں نے دائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر تین گھونٹ بھرے اور میز کے فلاں کونے پر گلاس رکھ دیا، گلاس کے فلاں حصے تک پانی باقی رہ گیا تھا، فلاں شخص نے فلاں کتاب نکال کر فلاں صفحہ پیش کیا، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باریک باریک تفصیلات آپ اس واقعے کے برسوں بعد بھی من وعن بیان کرتے تھے۔

اور میں سن کر حیران ہوتا تھا کہ گویا آپ کے سامنے سکرین پر وہی منظر چل رہا ہے۔ جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب کے بے پناہ حافظے کا سن رکھا ہے مگر حاجی صاحب کا حافظہ اس سے بہت بلند تھا، آپ کچی روایتیں بالکل بیان نہیں کرتے تھے ہر بات جچی تلی ہوتی تھی۔ آپ بہترین حاضر جواب تھے انتہائی جفاکش اور ورزشی جسم رکھتے تھے کامرہ سے حضرو سائیکل پر آتے، اور سائیکل پر ہی واپس جاتے تھے، ایک طرف کی مسافت دس (۱۰) کلومیٹر سے زیادہ ہوتی تھی۔ آپ کی نظر اور دانت وفات تک صحیح رہے، سر کے بال بھرے ہوئے اور سیاہ وسفید تھے، آپ مہندی نہیں لگاتے تھے۔

تہجد کے لئے آپ (بغیر الارم) کے روزانہ اٹھتے تھے، قرآن پاک آپ کو ایسے یاد تھا کہ جو آیت بھی پوچھو آپ قرآن سے نکال کر دیتے تھے، میں نے اس کا بار بار تجربہ کیا، حاجی صاحب نے ہر مرتبہ مطلوبہ آیت نکال کر دکھا دی، ایسا حافظہ حفاظ کرام کا بھی نہیں ہوتا، آپ حوالہ دیتے وقت کتاب کا نام جلد اور صفحہ بھی بتا دیتے تھے۔

طبیعت:

حاجی صاحب طبیعت کے لحاظ سے نہایت سادہ اور سادگی کو بہت ہی پسند کرتے تھے، انکساری وملنساری ان کی طبیعت کا حصہ تھی، کبھی کسی کا برا سوچتے نہ کسی کو برا کہتے تھے، بودونمائش کو پسند نہیں کرتے تھے، جو بھی کھانا آپ کے سامنے آجاتا بخوشی کھا لیتے اور کھانے میں کبھی نقص نہیں نکالتے تھے، مجھے شیر باز صاحب خطیب مسجد اہل حدیث اٹک نے ایک خبر دی، کہا: مجھے میری بیوی نے بتایا، کہا: مجھے حاجی اللہ دتہ صاحب کی بیوی نے بتایا کہ: حاجی صاحب نے ساری زندگی کھانے میں نقص نہیں نکالا اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے ورنہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے عبدالقدیر نے بھی اس روایت کی تصدیق کی ہے گویا ''ماعاب طعاماً قط'' کا بہترین نمونہ تھے۔

ایک غریب شخص نے ایک مولوی صاحب کی دعوت کی اور چاول پکائے، دعوت والے مولوی صاحب اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ: ''اس بھلے شخص نے چاول پکوائے وہ بھی کھانے کے قابل نہیں، جب کھانے بیٹھے میں نے میزبان سے کہا کچھ اور بھی ہے؟ کہا: نہیں میں نے کہا یہ تو کھانے کے قابل نہیں اب کیا کھاویں؟ اور جب تم کو چاول پکانا نہیں آتا تھا تو کیوں پکایا سیدھی دال روٹی کیوں نہیں پکائی، کہیں سے روٹی لاؤ'' (ملفوظات حکیم الامت ج۲ص۲۳،۲۴ ملفوظ نمبر۲) مولوی صاحب کے ساتھی نے کہا کہ: ''اس کی دل شکنی ہوگی'' تو مولوی صاحب نے کہا: ''ہماری جو شکم شکنی ہوگی'' (ایضاً ص۲۴)

حاجی صاحب شکم نواز نہیں تھے بلکہ ایسی باتوں سے انتہائی بے نیاز تھے۔ اٹک شہر میں مسجد اہل حدیث کی بنیاد آپ نے

ہی رکھی۔

عقیدہ وایمان:

حاجی صاحب عقیدے اور ایمان میں کٹر سلفی اہل حدیث تھے، اللہ تعالیٰ کو ساتھ آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی مانتے تھے کما یلیق بجلالہ، اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء الرجال پر بلا کیف ایمان رکھتے تھے، ان کی تاویل یا انکار کے سخت مخالف تھے، تکفیریوں اور خوارج پر شدید رد کرتے تھے، تقلید کی ہر قسم سے بیزار تھے جیسا کہ اگلے صفحے پر آرہا ہے، تمام اہل حدیث مثلاً مسعود الدین عثمانی، مسعود احمد بی ایس سی، پرویز وغیرہم کے سخت مخالف تھے۔

حاجی صاحب اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے کے قائل نہیں تھے، یہی تحقیق ہمارے استاد محترم سید بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کی تھی، راقم الحروف نے اس مسئلے پر ایک کتاب لکھی ہے ان شاء اللہ مکتبہ الحدیث سے شائع کیا جائے گا۔

فقہی مسائل:

حاجی صاحب کے چند مشہور مسائل درج ذیل ہیں:

۱: آپ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے اور اسی کے قائل تھے، اس مسئلے میں آپ کا اور شیخنا ابوالقاسم محبّ اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کا ایک ہی موقف تھا۔

۲: آپ مرد کے لئے ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز کے قائل تھے لیکن خود ہمیشہ سر پر رومال یا ٹوپی رکھ کر ہی نماز پڑھتے تھے۔

۳: حاجی صاحب ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔

۴: حاجی اللہ دتہ صاحب حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کے زبردست محبّ تھے مگر بعض مسائل میں ان سے اختلاف رکھتے تھے مثلاً ناخن پالش کو آپ ناجائز سمجھتے تھے جبکہ حافظ صاحب جواز کے قائل تھے۔

۵: حاجی صاحب شیخ البانی رحمہ اللہ کی بعض تصحیحات سے شدید اختلاف رکھتے تھے اور انہیں شیخ رحمہ اللہ کے بعض تفردات پر بھی اعتراض تھا، حاجی صاحب کے استاد محترم ابوالسلام محمد صدیق السرگودھوی رحمہ اللہ بھی شیخ البانی رحمہ اللہ کے تفردات پر تنقید کرتے تھے۔

گھریلو زندگی:

کپڑوں کے دو تین جوڑوں سے زیادہ آپ کے پاس کوئی جوڑا نہیں ہوتا تھا، گھر میں آپ نے پردے کا سختی سے اہتمام کروا یا رکھا تھا۔ ایک بیٹے کی بیوی دوسرے بیٹے کے سامنے کبھی نہیں آتی تھی، آپ کہا کرتے تھے کہ: ''دیور چلتی پھرتی موت ہے، ان سے پردہ کیا کرو'' حدیث الحمو موت : دیور موت ہے (صحیح البخاری:۵۲۳۲ و صحیح مسلم:۲۱۷۲) کی طرف اشارہ ہے۔ گھر میں آپ اپنی بہوؤں اور گھر والوں کو باقاعدگی سے قرآن وحدیث پڑھایا کرتے تھے، اپنے گھر والوں اور بچوں کو آپ نماز کی پابندی کرواتے، آپ کے دس بیٹے ہیں:

۱:عبدالقدیر ۲:عبدالعلیم ۳:محمد سلیم ۴:محمد نعیم ۵:عبدالسمیع ۶:محمد عابد شوکانی ۷:محمد عامر ۸:محمد صہیب ۹:محمد بلال ۱۰:محمد فہد

آخری بیٹے کے لحاظ سے آپ اپنی کنیت ابوفہد اختیار کرتے تھے، اصولِ حدیث کا ایک مسئلہ ہے کہ جس کے دس بیٹے ہوں اسے ابوالرجال کہتے ہیں حافظ ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ:

" وابو الرجال لقب لقب به ، لأنه كان له عشرة أولاد كلهم رجال " (علوم الحدیث مقدمۃ ابن الصلاح ص ۳۴۷ نوع: ۵۰۰، معرفۃ الاسماء والکنیٰ) اسی مناسبت سے آپ کی کنیت ابوالرجال تھی،

لاہور منتقلی:

۱۹۹۶ء میں، ساٹھ سال کی عمر میں حاجی صاحب مستقل طور پر باغبان پورہ لاہور میں منتقل ہو گئے تھے، وہاں انہوں نے گھر بنالیا تھا، ہر مہینے دو دفعہ جمعہ پڑھانے اپنے خرچے پر لاہور سے اٹک آتے تھے، آپ کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں، کہیں جمعہ پڑھانے جارہے ہیں اور کہیں قرآن وحدیث کے درس کا اہتمام ہے، جہاں بھی گئے اپنے ہی خرچے پر گئے، اٹک والوں نے کہا کہ حاجی صاحب لاہور سے اٹک کوچ چلتی ہے آپ اس میں آیا کریں ٹکٹ ہمارے ذمے ہوگا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے میری دو پنشنیں لگائی ہوئی ہیں ایک پینشن میں نے اپنے دینی پروگراموں کے لئے وقف کی ہوئی ہے ۔

لاہور میں آپ نے: تنظیم المساجد کویت '' کے تعاون سے ایک مسجد بنائی آپ جماعت اہل حدیث چوک دالگراں لاہور کی مجلس شوری کے ممبر تھے، خط وکتابت کے ذریعے لوگوں کے سوالوں کے جوابات دیا کرتے تھے، آپ حافظ عبدالقادر روپڑی، عظیم مناظر اہل حدیث کی صحبت سے بھی مستفید ہوتے رہے، آپ نے مناظرے کے رموز ان سے بھی سیکھے تھے۔ کامرہ میراج فیکٹری میں حاجی صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ ان سے بحث کرو اور نہ ان کے پاس جاؤ، ورنہ اہل الحدیث ہو جاؤ گے، بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ الیکٹریکل فٹر نہیں بلکہ اہل حدیث فٹر ہیں، کیونکہ جو شخص ان سے مسئلے پوچھتا ہے وہ بالآخر اہل حدیث ہو جاتا ہے۔

آپ کی کوشش سے سینکڑوں لوگ اہل حدیث ہوئے، حاجی صاحب تقلید سے سخت نفرت کرتے تھے، آپ قرآن وحدیث کی اطاعت کے ہی عامل وداعی تھے، تقلید کی ہر قسم کو ناجائز سمجھتے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہل کے لئے تقلید جائز ہے، مگر شیخ مقبل بن ھادی الیمنی رحمہ اللہ وغیرہ سلفی علماء کی طرح آپ جاہل کے لئے تقلید جائز نہیں سمجھتے تھے، آپ کے نزدیک ہر جاہل پر لازم ہے کہ قرآن وحدیث کے بارے میں سوال کر کے اس پر عمل کرے، یہ تقلید نہیں ہے یہ اقتداء ہے۔

بہترین استاد:

حاجی صاحب کتابیں نہیں لکھتے تھے مگر ایسے شاگرد تیار کرتے جن کا اوڑھنا بچھونا ہی تصنیف وتالیف ہے، حاجی صاحب بہترین مدرس اور جلیل القدر استاد تھے، جو شخص آپ سے کچھ پڑھ لیتا ایسا ماہر ہو جاتا کہ بڑے سے بڑا شیخ الحدیث بھی آپ کے شاگرد سے ڈرتا تھا، آپ کے شاگردوں میں طاہر صاحب اٹک والے بہترین مبلغ ہیں، وہ حاجی صاحب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں دوران گفتگو ان کے انداز تکلم اور ہاتھوں کے اشارے کا وہی انداز ہے جو حاجی صاحب کا انداز تھا، من وعن حاجی صاحب کی تصویر ہیں۔

وفات:

آپ کی صحت قابلِ رشک تھی، ۱۲اگست کو اٹک شہر میں نماز جمعہ پڑھا کر سوہدرہ چلے گئے، وہاں درس قرآن دیا، بدھ کو واپس لاہور اپنے گھر آئے، جمعرات کی رات کو مطالعہ کرتے رہے اور سوالوں کے جوابات بھی لکھتے رہے، آخری بات اپنے بیٹے سے یہی کہی: صبح جلدی اٹھا کر وا اور نماز وقت پر پڑھو '' ٹھیک ٹھاک سوئے، صبح، ۱۰، اگست ۲۰۰۱ء کو (جمعہ کی) نمازِ فجر کے لئے نہیں اٹھے، عجیب وغریب بات ہوگئی تھی، آج ساری زندگی میں پہلی دفعہ حاجی اللہ دتہ صاحب کی صبح کی نماز فوت ہوگئی تھی۔ بیٹا یہ معلوم کرنے حاجی صاحب کے کمرے میں داخل ہوا کہ کیا وجہ ہے آج ابا جی نے نماز نہیں پڑھی، پتہ چلا کہ وہ اپنے خالق حقیقی کے پاس جا چکے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون

عبدالقدیر صاحب کہتے ہیں کہ: مجھے یاد نہیں کہ کبھی ان کی تہجد کی نماز ان سے رہ گئی ہو، وہ ہمیشہ تہجد گزار تھے ''

فوت ہونے کے بعد ان کا چہرہ انتہائی پُرسکون اور نورانی تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوئے ہوئے ہیں ابھی اٹھ کر قرآن و حدیث کی دعوت والا سلسلہ شروع کر دیں گے۔

آپ کا جنازہ بہت بڑا اور عظیم الشان تھا، ہر آنکھ پرنم تھی اٹک سے بہت سے ساتھی پہنچ گئے تھے، میں ان دنوں مکتبہ دارالسلام لاہور میں موجود تھا۔

آپ کی نماز جنازہ میں نے جہراً پڑھائی اور عصر ومغرب کے درمیان آپ کو چوک شوالہ قبرستان، باغبان پورہ لاہور میں، ۱۰۔اگست ۲۰۰۱ء کو اشک بار آنکھوں سے دفن کر دیا گیا، آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

راقم الحروف کے لئے حاجی اللہ دتہ صاحب کا اجازت نامۂ حدیث مع دستخط

اصول دین (۱)

حافظ زبیر علی زئی

مترجم

[أخبرنا أبو زيد الشامي (۲) قراءة عليه ، قال : أخبرنا الشيخ أبو طالب (۳) عبدالقادر بن محمد بن عبدالقادر بن محمد بن يوسف قراءة عليه وهو يسمع وأنا أسمع فأقربه ،

قال أخبرنا الشيخ أبو إسحاق (۴) إبراهيم بن عمربن أحمد البرمكي رحمه الله ، قال :]حدثنا أبو الحسن على (۵) بن عبدالعزيز [بن مردك بن أحمد البرذعي] ، قال : أخبرنا أبو محمد عبدالرحمٰن بن أبي حاتم (۶) [أسعده الله ورضي الله عنه] قال : سألت أبي (۷) (رحمه الله)

وأبا زرعة (۸) رضي الله عنهما عن مذاهب أهل [السنة] في أصول الدين ، وما أدركا عليه العلماء في جميع الأمصار ، وما يعتقدان (رحمهما الله) من ذلك ، فقالا :أدركنا العلماء في جميع الأمصار حجازاً وعراقاً ومصراً وشاماً ويمناً ، فكان من مذهبهم

امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: میں نے اپنے والد (ابوحاتم الرازی) اور ابوزرعہ (الرازی) رحمہما اللہ سے اصول دین میں مذاہب اہل سنت کے بارے میں پوچھا اور (یہ کہ) انہوں نے تمام شہروں میں علماء کو کس (عقیدے) پر پایا ہے اور آپ دونوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہم نے حجاز، عراق، مصر شام اور یمن کے تمام شہروں میں علماء کو اس (درج ذیل) مذہب پر پایا کہ:

۱: أن الإيمان قول وعمل ، يزيد و ينقص

''بےشک ایمان قول وعمل (کا نام) ہے (اور یہ) زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔''

۲: والقرآن كلام الله غير مخلوق بجميع جهاته "قرآن ہر لحاظ سے اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔"

۳: والقدر خيره وشره من الله [عزوجل] "اچھی اور بری تقدیر، اللہ کی طرف سے ہے۔"

۴: وخير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر الصديق ، ثم عمر بن (الـ) خطاب ، ثم عثمان بن عفان ، ثم على بن أبي طالب رضي الله عنهم ، وهم الخلفاء الراشدون المهديون ـ

نبی (ﷺ) کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر بن الخطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور یہی خلفاء راشدین مہدیین ہیں۔

۵: وأن العشرة الذين سماهم رسول الله صلى الله عليه [وسلم] وشهد لهم بالجنة على ما شهد به ، وقوله الحق

(۱) امام رازی رحمہ اللہ کی ''کتاب اصل السنۃ واعتقاد الدین'' سے اردو ترجمہ (۲) السمعانی نے کہا: شيخ صالح خير كثيرالعبادة ، توفی ٥٥٤ھ (سیر اعلام النبلاء ج۲۰ ص۳۴۱) (۳) ....العالم المسند ، توفی ٥١٦ھ (النبلاء ج۱۹ ص۳۸۶) (۴) وكان صدوقاً ديناً ، توفی ٤٤٥ھ (تاریخ بغداد ج۶ ص۱۳۹، النبلاء ج۱۷ ص۶۰۵، ۶۰۷) (۵) وكان ثقة ، توفی ۳۸۷ھ (تاریخ بغداد ج۱۲ ص۳۰) (۶) قال ابو الوليد الباجی : ثقة حافظ ، توفی ۳۸۷ھ (النبلاء ج۱۳ ص۲۶۷) (۷) ابوحاتم الرازی : أن الأئمة الحفاظ الاثبات ، توفی ۲۷۷ھ (تاریخ بغداد ج۲

ص۳۷، النبلاء: ج۱۳ص۲۴۷، ۲۶۲) (۸) امام حافظ ثقة مشهور ، توفى ٢٦٤ھ (التقریب: ۴۳۱۶)

عشرہ (مبشرہ) جن کے بارے میں رسول اللہ نے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے (ہمارے نزدیک) وہ جنتی ہیں اور آپ (ﷺ) کی بات حق ہے۔

ج: **والترحم على جميع أصحاب محمد صلى الله عليه [وعلى آله] والكف عما شجر بينهم**

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کے بارے میں رحمت (اور رضی اللہ عنھم) کی دعا مانگنی چاہئے اور ان کے درمیان جو اختلافات تھے ان کے بارے میں سکوت کرنا چاہئے۔

م: **وأن الله عزوجل على عرشه بائن من خلقه ، كما وصف نفسه في كتابه وعلى لسان رسوله[ﷺ] بلا كيف ، (بلط) أحاط بكل شيءٍ علما ، ليس كمثله شيء وهو السميع البصير**

اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بغیر (سوال) کیفیت (مستوی) ہے، اپنی مخلوق سے (بلحاظ ذات) جدا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اور رسول اللہ ﷺ کی زبان (مبارک پر) بیان فرمایا ہے۔ اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

م: **والله تبارك وتعالىٰ يرى في الآخرة ويراه أهل الجنة بأبصارهم ، (كلط) كلامه كيف شاء وكما شاء ۔**

اللہ تعالیٰ آخرت میں نظر آئے گا، جنتی لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اسی کا) کلام ہے جیسے چاہے اور جب چاہے۔

ع: **والجنة [حق] والنار حق ، وهما مخلوقتان [لا يفنيان أبدا] :فالجنة ثواب لأوليائه ، والنار عقاب لأهل معيصته إلا من رحم**

جنت حق ہے، جہنم حق ہے، اور یہ دونوں مخلوق ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی، اللہ کے دوستوں کے لئے جنت کا بدلہ ہے، اور اس کے نافرمانوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے سوائے ان کے جن پر وہ (اللہ) رحم فرمائے۔

ط: **والصراط حق** " (پل) صراط حق ہے۔"

ط: **والميزان [الذى] له كفتان يوزن فيه أعمال العباد حسنها وسيئها حق**

میزان (ترازو) کے دو پلڑے ہیں جن میں بندوں کے اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔

طط: **والحوض المكرم به نبينا صلى الله عليه [وسلم وعلى آله] حق ، (بلط) والشفاعة حق ۔** "نبی ﷺ کا حوض کوثر حق ہے، اور شفاعت حق ہے۔"

ط: **وأن ناسا من أهل التوحيد يخرجون من النار بالشفاعة حق**

اہل توحید (مسلمانوں) میں سے (بعض) لوگوں کا (آپ ﷺ کی) شفاعت کے ذریعے (جہنم کی) آگ سے نکلنا حق ہے۔

لاط: **وعذاب القبر حق** " عذاب قبر حق ہے۔"

ط: **ومنكر ونكير [حق]** " منکر ونکیر (قبر میں سوال وجواب والے فرشتے) حق ہیں۔"

طج: والكرام الكاتبون حق　　　　" کراماً کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتے) حق ہیں۔''

طد: والبعث من بعد الموت حق　　　　" موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔''

طہ: وأهل الكبار في مشيئة الله عزوجل ، لا نكفر ، أهل القبلة بذنوبهم ، ونكل سرائرهم الى الله عزوجل

کبیرہ گناہ کرنے والوں کا معاملہ اللہ کی مشئیت (اور ارادے) پر ہے (چاہے تو عذاب دے چاہے تو بخش دے) ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) کے گناہوں کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں کرتے، ہم ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

طع: ونقيم فرض الجهاد والحج من أئمة المسلمين في كل دهر وزمان

ہر زمانے (اور علاقے) میں ہم مسلمان حکمرانوں کے ساتھ جہاد اور حج کی فرضیت پر عمل پیرا ہیں۔

طم: ولا نرى الخروج على الأئمة ولا القتال في الفتنة

ہم (مسلمان) حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے قائل نہیں ہیں اور نہ فتنے (کے دور) میں (ایک دوسرے سے) قتال کے قائل ہیں۔

طط: ونسمع ونطيع لمن ولاه [الله أمرنا]/ (بط) ولا ننزع يداً من طاعة

اللہ نے جسے ہمارا حاکم بنایا ہے، ہم اس کی سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں اور اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے۔

طی: ونتبع السنة والجماعة ، ونجتنب الشذوذ والخلاف والفرقة

ہم (اہل) سنت والجماعت (کے اجماع) کی پیروی کرتے ہیں اور شذوذ، اختلاف اور فرقہ بازی سے اجتناب کرتے ہیں۔

طلا: وأن الجهاد ماضٍ مند بعث/ (أرطح) الله [عزوجل] نبيه صلى الله عليه [وسلم] إلى قيام الساعة مع أولى الأمر من أئمة المسلمين ، لا يبطله شيء

جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو (نبی و رسول بنا کر) مبعوث فرمایا ہے، مسلمان حکمرانوں کے ساتھ مل کر (کافروں کے خلاف) جہاد جاری رہے گا۔ اسے کوئی چیز باطل نہیں کرے گی (یعنی جہاد ہمیشہ جاری رہے گا)

طب: والحج كذلك　　　　" اور یہی معاملہ حج کا (بھی) ہے۔''

طج: ودفع الصدقات من السوائم إلى أولى الأمر من [أئمة] المسلمين

مسلمان حکمرانوں کے پاس جانوروں (اور دیگر اموال) کے صدقات (زکوۃ، عشر) جمع کرائے جائیں گے۔

طد: والناس مؤمنون في أحكامهم وموار يثهم ، ولا يدرى ما هم عند الله [عزوجل] فمن قال إنه مؤمن حقاً فهو مبتدع ومن قال هو مؤمن عندالله فهو من/(بط) الكاذبين ومن قال إنى مؤمن بالله فهو مصيب

لوگ اپنے احکام اور وراثت میں مومن ہیں، اور اللہ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے معلوم نہیں، جو شخص اپنے بارے میں کہتا ہے کہ وہ یقیناً مومن ہے تو وہ شخص بدعتی ہے، اور جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں (بھی) مومن ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ہے۔ اور جو کہتے ہیں میں اللہ کے ساتھ مومن (یعنی اللہ پر ایمان رکھتا) ہوں تو یہ شخص (صحیح اور) مصیب ہے۔

طم: **والمرجئة مبتدعة ضلال** "مرجیئہ بدعتی گمراہ ہیں۔"

مط: **والقدرية مبتدعة ضلال ، ومن أنكر منهم أن الله [عزوجل] يعلم ما يكون قبل أن يكون فهو كافر**

قدریہ (تقدیر کا انکار کرنے والے) بدعتی گمراہ ہیں اور ان میں سے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ، کسی کام کے ہونے سے پہلے اس کا علم نہیں رکھتا تو ایسا شخص کافر ہے۔

مع: **وأن الجهمية كفار** "جہمیہ کفار ہیں۔"

ل: **و[أن] الرافضة رفضوا الاسلام** "رافضیوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔"

ط: **والخوارج مراق** "خوارج (دین سے) نکلے ہوئے ہیں۔"

طلا: **ومن زعم أن القرآن مخلوق فهو كافر [بالله العظيم] كفراً ينقل عن الملة ومن شك في كفره ممن يفهم فهو كافر**

جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کافر ہے، ملت (اسلامیہ) سے خارج ہے۔ اور جو شخص سوجھ بوجھ (اور اقامت حجت) کے باوجود اس شخص کے کفر میں شک کرے تو وہ (بھی) کافر ہے۔

لا: **ومن شك في كلام الله [عزوجل] فوقف/ شاكاً فيه يقول لا أدرى مخلوق أو غير مخلوق فهو جهمي**

جو شخص اللہ کے کلام کے بارے میں شک کرتے ہوئے توقف کرے اور کہے کہ: مجھے پتہ نہیں کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق تو ایسا شخص جہمی ہے۔

لالا: **ومن وقف في القرآن جاهلاً علم وبدع ولم يكفر**

جو جاہل شخص قرآن کے بارے میں توقف کرے تو اسے سمجھایا جائے گا۔

لا: **ومن قال/ لفظى بالقرآن مخلوق ، أو القرآن بلفظى مخلوق فهو جهمى**

[قال الشيخ أبو طالب :قال إبراهيم بن عمر :قال على بن عبدالعزيز] قال أبو محمد :وسمعت أبي رضي الله عنه يقول :

جو شخص لفظی بالقرآن (میرے الفاظ جن سے میں قرآن پڑھتا ہوں) یا القرآن بلفظی (قرآن میرے الفاظ کے ساتھ) مخلوق کہے تو وہ جہمی (گمراہ) ہے۔

جلا: **علامة أهل البدع :الوقيعة في أهل الأثر**

ابوحاتم الرازی نے فرمایا: اہل بدعت کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل اثر (اہل حدیث) پر حملہ کرتے ہیں۔

لا: **وعلامة الزنادقة :تسميتهم أهل/ الأثر حشوية ، يريدون إبطال الآثار**

زنادقہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو حشویہ (ظاہر پرست فرقہ) کہتے ہیں، ان کا اس سے مقصد احادیث کا انکار ہوتا ہے۔

لا م: **وعلامة الجهمية :تسميتهم أهل السنة مشبهة**

جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کومشبہہ (۱) کہتے ہیں۔

لا ع: **وعلامة القدرية :تسميتهم أهل السنة مجبرة**

قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مجبرہ (۲) کہتے ہیں۔

لام: **وعلامة المرجئة :تسميتهم أهل السنة مخالفة ونقصانية**

مرجئہ کی (ایک) علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کومخالفہ اور نقصانیہ کہتے ہیں۔

لاط: **وعلامة الرافضة ، تسميتهم أهل السنة ثانية**

رافضہ کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل سنت کوثانیہ (ناصبیہ) کہتے ہیں۔

طا: **[وظل هذا أمر عصبات معصيات] ، ولا يلحق أهل السنة إلا اسم واحد ويستحيل أن يجمعهم هذه الأسامى**

ان تمام (برے ناموں) کی بنیاد (بدعات پر) تعصب اور معصیت ہیں اہل سنت کا ایک ہی نام ہے۔اور یہ محال ہے کہ ان کے بہت سے (خودساختہ) نام اکٹھے ہوجائیں۔

لالا: **حدثنا أبو محمد ، قال :[و] سمعت أبي وأبا زرعة يهجران أهل الزيغ والبدع ، ويغلطان رأيهما أشد تغليط وينكران وضع الكتب بالرأى بغير آثار ، وينهيان عن مجالسة أهل الكلام وعن النظر في كتب المتكلمين ، ويقولان :لا يفلح صاحب كلامٍ أبدا ۔**

ابوحاتم اورابوزرعہ دونوں گمراہوں اور بدعتیوں سے ھجر (بائیکاٹ) کرتے تھے ان (غلط) آراء کا شدید رد کرتے تھے۔ احادیث کے بغیر رائے والی کتابیں لکھنے پر سختی سے انکار کرتے تھے۔اہل کلام (منطق وفلسفے والوں) کی مجلس اور متکلمین کی کتابیں دیکھنے سے منع کرتے تھے اور کہتے کہ: صاحب کلام کبھی فلاح نہیں پاتا (الا یہ کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلے)

(۱) ایک فرقہ جوخالق کومخلوق سے تشبیہہ دیتا ہے۔ (۲) ایک فرقہ جسکا نظریہ ہے کہ انسان سے جوفعل صادر ہوتا ہے وہ اختیاری نہیں بلکہ وہ اس کے کرنے پر مجبور ہے۔